جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلّہ

الحقانیہ

ساہیوال

سرگودھا

جلد ۳ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ/ جولائی ۲۰۰۸ء شمارہ ۷

بانی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

رجب المرجب ۱۴۲۹ھ جولائی ۲۰۰۸ء فہرست



کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطیب متین شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید انور رحمہ اللہ تعالیٰ

افسوس کہ گزشتہ دنوں ہفتہ ۶/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ بروز بدھ ۱۱/ جون ۲۰۰۸ء کو ہمارے مخدوم بزرگ خطیب متین شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید انور صاحب بھی چند ماہ کی علالت کے بعد ضلع ساہیوال میں انتقال فرما گئے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مرحوم جامعہ خیر المدارس ملتان کے فاضل جید عالم دین عالم باعمل اور ملک کے مایہ ناز مقبول ومشہور متین وخوش بیان خطیب تھے، حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ کو آپ پر بے حد اعتماد تھا اس طرح آپ طالب علمی کے زمانہ سے ہی حضرت کے مخصوص احباب وتلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔

فراغت کے بعد آپ نے درس وتدریس اور خطابت دونوں شعبوں میں بھرپور خدمات سرانجام دیں، کمالیہ، جامعہ رشیدیہ، جامعہ علوم شرعیہ ضلع ساہیوال کے علاوہ اپنی مادر علمی جامعہ خیر المدارس میں بھی آپ نے تدریس فرمائی، جن حضرات نے آپ سے فیض پایا اور جن کا شمار باقاعدہ آپ کے حلقہ تلامذہ میں ہوتا ہے بلا مبالغہ ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، جبکہ وعظ ونصیحت اور تبلیغ کے میدان میں آپ سے استفادہ کرنے والے تو بلا شبہ لاکھوں کی تعداد میں ہوں گے۔

حق تعالیٰ نے افہام وتفہیم کا بڑا ملکہ آپ کو عطا فرمایا تھا، مشکل سے مشکل اور پیچیدہ علمی مضمون کو آپ بڑے آسان شستہ وشگفتہ انداز میں سمجھا دیتے تھے، اسی لئے آپ ایک کامیاب استاذ ومعلم ہونے کے ساتھ ملک کے بڑے مقبول وپسندیدہ خطیب بھی تھے، سامعین آپ کے بیان کو بڑی توجہ سے سنتے تھے، خداداد صلاحیت، قابلیت، ذہانت اور استعداد کے ساتھ حسن صورت، حسن صوت، حسن بیان کی نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حظ وافر وکامل عطا فرمایا تھا، انداز بیان اس قدر مؤثر، دلکش اور نافع ومفید کہ جتنی تعریف کی جائے کم، آپ صحیح معنی میں اسلام کے مبلغ اور ایک سنجیدہ ومتین خطیب اور بے مثال واعظ تھے، آپ کے بیان سے دلوں میں آخرت کی یاد پیدا ہو کر آنکھیں اشکبار ہو جاتیں

اور کانھا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منھا العیون کا سماں پیدا ہوجاتا تھا اور ظاہر ہے کہ ایک عالم باعمل کے وعظ و بیان کی یہی تاثیر ہوتی ہے، حضرت کے بیان میں یہ کیفیت اکثر مشاہدہ میں آتی تھی، عمر کے اس آخری حصہ میں اگرچہ آپ چند سال سے برطانیہ میں مقیم تھے لیکن اس مرد درویش نے اس دیار غیر میں بھی خطابت اور وعظ کے ساتھ قال اللہ اور قال الرسول ﷺ کی صدا بلند رکھی اور دورہ حدیث شریف کی کتابیں خود پڑھائیں اس طرح آپ کا فیض نہ صرف پاکستان بلکہ دیگر بلاد اسلامیہ اور مغربی ممالک میں بھی جاری ہوا اور آپ کے تلامذہ کا حلقہ بڑھتے بڑھتے دوسری دنیا تک پہنچ گیا۔

حضرت مولانا مرحوم کو اپنے اساتذہ کرام، مشائخ عظام اکابر اور بزرگوں سے بڑی عقیدت و محبت تھی اور وہ دل سے ان کے قدردان تھے، احقر کے والد ماجد فقیہ العصر یادگار سلف حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ سے بھی ان کا دیرینہ تعلق تھا اور حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مولانا مرحوم سے خاص تعلق تھا وہ ہمیشہ انہیں جامعہ حقانیہ کے سالانہ جلسہ پر دعوت دے کر بلاتے اور ان کا بیان بڑی توجہ سے سماعت فرماتے، اس سے بڑے متاثر ہوتے اور بے حد داد دیتے تھے، حضرت والد ماجد سے تعلق کی ابتدا کس طرح ہوئی اس کا ذکر حضرت مولانا مرحوم نے یوں فرمایا ہے ”حضرت مفتی صاحب سے آشنائی مجھے اس وقت نصیب ہوئی جبکہ خیر المدارس ملتان سے فراغت کے دو تین سال بعد جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے سالانہ جلسہ کیلئے ملتان حاضر ہوا، حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ نے تقریر کرنے کو فرمایا اور پھر بعد میں بہت ہی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اس ناکارہ کیلئے اہل جلسہ سے دعا بھی کروائی، قیام گاہ کے سامنے کھڑا تھا تو حضرت مفتی صاحب مرحوم تشریف لائے، ملنے کے بعد اپنے ساہیوال (ضلع سرگودھا) آنے کو فرمایا تب سے ہر سال سالانہ جلسہ پر ساہیوال سرگودھا جانا ہوتا اور حضرت موصوف کی عنایات ہر دفع مزید در مزید ہونے لگیں، امراض و اعذار کے باوجود اسٹیج پر تشریف فرما ہوتے، دعاؤں اور تحسین کے ذریعہ بہت ہی حوصلہ افزائی فرماتے“ (حیات ترمذی)

حضرت مولانا مرحوم نے یہ تعلق خاطر آخر تک نبھایا اور مختلف عوارضات کے باوجود ہمیشہ جلسہ میں تشریف لاتے رہے، بعض اوقات اس سفر میں انہیں کافی صعوبت بھی برداشت کرنی پڑی لیکن اس کے باوجود بڑے شوق سے تشریف لاتے رہے، اس وقت بغیر تلاش و جستجو کے حضرت مولانا کے چند خطوط سامنے آ گئے ہیں ان سب میں تقریباً اسی طرح کا مضمون ہے، سر دست یہ چند خطوط بطور

یادگار ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

مکرم ومحترم جناب مولانا صاحب زیدمجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حکم نامہ بہت ہی تنگ وقت میں موصول ہوا، راستے عموماً مسدود ہیں، جو ہیں وہ کافی ناقص ہیں، سنا ہے جھنگ سرگودھا روڈ بند ہے، لائل پور سرگودھا کی طرف سے اتوار کو کسی وقت پہنچنے کی کوشش کروں گا ان شاء اللہ، توفیق وعافیت کی دعا فرمائیں۔ والسلام بندہ عبدالمجید ۱۲/شعبان ۹۳ھ

گرامی قدر مولانا زادت معالیہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حادثہ فاجعہ کے بعد زندگی کے ایام جس کیفیت سے گزر رہے ہیں یا گزارنے پڑ رہے ہیں بیان نہیں کرسکتا، صبر کے معنی اسباق میں پڑھتے سنتے آج تک چلے آئے مگر مجھے کرنا نہیں آیا، پتہ ہی نہیں چلتا کہ کیسا ہوتا ہے، مجھ سے ہوا نہیں، دل میں سکون نہیں ہے، شہید مرحوم کی والدہ کو بھی شب وروز میں قرار کم ہی آتا ہے، دعا کی ازحد ضرورت ہے، جلسہ کی دعوت پر تعمیل ارشاد کو حاضر ہو جاؤں گا مگر بظاہر بے کار ہوں، سوا اس کے کہ آپ کے رنج وغم میں اضافہ ہو، کیا کروں گا ع آزردہ دل آزردہ کند انجمنے را۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بروز ہفتہ ظہر وعصر تک پہنچنے کی کوشش کروں گا، والاتمام من اللہ۔

آخر میں ایک بار پھر اپنے لئے اور اہلیہ کیلئے دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ صبر وقرار اور رضیات سے نوازیں، آمین۔ والسلام بندہ عبدالمجید غفرلہ ۹۴/۸/۸ھ

بخدمت گرامی جناب مفتی صاحب زیدمجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامہ کرم کاشف رقم ہوا، ان شاء اللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا، البتہ جمعہ کی رخصت مل جائے تو عنایت ہوگی، ہفتہ صبح کسی وقت حاضری ہو جائے گی اور اتوار کو واپسی ان شاء اللہ تعالیٰ، امید ہے کہ جمعہ کو تمرہ پڑھوں گا اور رات کو لائل پور پہنچ جاؤں گا، باقی جو اللہ تعالیٰ کو منظور، آپ کی صحت وعافیت کیلئے دعا کرتا ہوں اور خود بھی دعاؤں کا محتاج ہوں اور خواستگار۔ والسلام بندہ عبدالمجید غفرلہ عارف والا

۲۴/رجب ۹۵ھ

بخدمت گرامی جناب مولانا صاحب زیدمجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج تقریباً ایک عشرہ کے بعد سفر سے واپس عارف والا پہنچا تو گرامی نامہ موصول ہوا، اسی بنا پر آپ کو انتظار کی زحمت گوارا کرنا پڑی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ پہنچنے کی کوشش کروں گا، والاتمام منہ تعالیٰ۔

دعوات میں یاد فرمائیں۔ والسلام بندہ عبدالمجید غفرلہ عارف والا ۱۱/ربیع ۲/۹۶ھ

محترم المقام حضرت مفتی صاحب زادت معالیہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامہ کرم موصول ہوا، پندرھویں شب کیلئے ایک جگہ پہلے سے وعدہ ہو چکا ہے اگر تو یہ بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب بن گئی پھر تو ان شاء اللہ تعالیٰ جمعرات کو کسی وقت ضرور حاضر ہو جاؤں گا اور اگر چاند تیس کا ہوا اور پندرھویں شب شب جمعہ ہوئی تو حاضری مشکل ہوگی، لہذا فیصلہ تو چاند کے بعد ہی ہو سکے گا جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا ہو جائے گا، دعاؤں کی درخواست ہے۔

والسلام بندہ عبدالمجید غفرلہ خیر المدارس ملتان ۱۸/رجب ۱۴۰۱ھ

بخدمت مخدوم ومحترم حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامۂ کرم بابت حاضری جمعرات موصول ہو چکا مگر بعض گھریلو موانع کی بنا پر اب جمعہ شام کو ہی حاضر ہونے کی کوشش کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ وھوالمتمم ،خدا کرے آپ بہمہ وجوہ خیر و عافیت سے ہوں، بخدمت احباب سلام مسنون۔ والسلام بندہ عبدالمجید غفرلہ ساہیوال ۱۲/۸/۱۴۰۵ھ

ساہیوال سالانہ جلسہ کیلئے ان کی تشریف آوری کے موقع پر بڑی طویل مجلس کا دور چلتا تھا جس میں حضرت مولانا مرحوم بڑی چاہت اور دلچسپی سے شریک ہوتے اور یوں محسوس ہوتا کہ وہ پورے طور پر متوجہ اور محو ہیں، اکثر فرماتے تھے کہ ”جلسہ تو ایک بہانہ ہے اصل تو میں حضرت سے استفادہ اور مجلس میں حاضری کیلئے سفر کرتا ہوں“ سرگودھا میں حضرت کی ہمشیرہ صاحبہ کا گھر تھا وہاں تشریف لاتے تو اصل قصد ساہیوال میں حضرت والد صاحب سے ملنے کا فرماتے ،اس مجلس سے بڑے ہی متأثر ہوتے اور اس کی بڑی قدر فرماتے ، چنانچہ اس سلسلہ میں وہ خود تحریر فرماتے ہیں ”جب تک حاضری رہتی خوب خوب شفقتیں فرماتے ، گھنٹوں گھنٹوں تھانہ بھون کی باتیں محو لذت ہو کر سناتے اور سننے والے بھی محظوظ ومسرور ہو جاتے ،درمیان میں کبھی آہ کھینچ کر فرماتے ان حالات واقعات کو جاننے والے اب کہاں“۔

”سرگودھا میں راقم کی ہمشیرہ مرحومہ ان کے اہل وعیال ایک عرصہ سے قیام پذیر ہیں،ان کے پاس جانے کیلئے بھی نیت حضرت مفتی صاحب مرحوم کی زیارت ہی کی کرتا تھا جس وجہ سے تمام سفر میں ایک عجیب سا کیف طاری رہتا اور وہاں کی حاضری کے بعد تو دنیا ہی بدل جاتی تھی“۔(حیات ترمذی)

احقر کو یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا مرحوم حضرت شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ساہیوال تشریف لائے ،کافی دیر تک حضرت اقدس کے ساتھ مجلس رہی ،حضرت اقدس نے دوران گفتگو فرمایا کہ ''مولوی عبدالمجید آپ حضرات اتنی دور سے تشریف لائے احقر کی طبیعت پر اس کا بہت بوجھ ہے کہ مجھ ناکارہ کیلئے آپ نے اتنا سفر فرمایا اور مجھے سمجھ نہیں آتی کہ حضرات کیوں یہاں تشریف لاتے ہیں جبکہ میں بالکل ناکارہ ہوں'' ۔حضرت مولانا مرحوم نے سنتے ہی یہ شعر پڑھا

ہر کجا بو د چشمئہ شیریں مردم ومرغ ومور گرد آیند

اور کہا کہ ''حضرت یہ تو آپ کی تواضع ہے ورنہ ظاہر ہے کہ علماء وطلبا اتنا سفر کر کے یوں ہی تھوڑا آتے ہیں'' شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید فرمائی ۔

حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کا حادثہ یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو پیش آیا اس وقت مولانا مرحوم برطانیہ میں تھے انہیں روزنامہ جنگ کے ذریعہ اس حادثہ کی اطلاع ہوئی ،انہوں نے اس پر اپنے تأثرات یوں قلم بند فرمائے ''کل جنگ اخبار کے ذریعہ حضرت مفتی عبدالشکور صاحب مرحوم ومغفور کے سانحہ ارتحال کی خبر معلوم ہو کر ازحد صدمہ ہوا، دو تین سطروں کی خبر کئی بار پڑھی ،دیر تک سکتہ کا سا عالم رہا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیء عندہ الی اجل مسمی عظم اللّٰہ تعالی اجورنا وتولی امورنا

ضرورت روشنی کی جیسے جیسے بڑھتی جاتی ہے اندھیرا اور گہرا اور گہرا ہوتا جاتا ہے

یہ صدمہ تو پوری امت کا ہے ملک بھر کا ہے اور پھر خصوصاً مسلک ومشرب کا اور صیانۃ المسلمین کا ہے اور سبھی اپنی اپنی جگہ تعزیت کے محتاج ہیں ۔

وما کان قیس ہلکہ ہلك واحد ولکنہ بنیان قوم تہدما

بیرون ملک ہونے کی وجہ سے میرے لئے یہ مزید صدمہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آخری زیارت اور نماز جنازہ میں شمولیت بھی مقدر نہ ہو سکی ،جو میری نجات کا ذریعہ تھی ۔

ایک عرصہ سے ہر سال حضرت رحمہ اللہ کے ہاں حاضری کا معمول تھا اور جانے کو تو اب بھی جانا ہوگا ان شاء اللہ مگر آنکھوں کو جنہیں دیکھنے کا اشتیاق لگا رہتا تھا اور پژمردہ دل جن کے انفاس قدسیہ سے حیات نو حاصل کرنے کیلئے کھنچا چلا جاتا تھا انہیں وہاں نہ پا کر اپنی محرومی کا عالم کیا ہوگا آج ہی اس کے تصور سے دل بیٹھا جا رہا ہے ع جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے ۔

اس مختصر مگر جامع تحریر سے حضرت والد محترم کے ساتھ ان کے تعلق کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حضرت اقدس سے اسی قلبی تعلق کی وجہ سے احقر ناکارہ پر بھی حضرت مولانا مرحوم خاص شفقت وعنایت فرماتے رہے، احقر چونکہ بچپن سے جامعہ کے سالانہ جلسہ پر حضرت کا بیان نہ صرف سنتا بلکہ حضرت کی دلکش آواز میں اشعار وتلاوت سن کر اس کی خوب مشق بھی کرتا تھا اس لئے شروع سے اپنے قلب میں حضرت کی عقیدت موجود تھی، اس لئے آپ کے بیان اور زیارت کا منتظر رہتا بعض اوقات دوسرے مقامات پر حاضر ہو کر بھی آپ کے بیان سننے کا شرف حاصل ہوا، حضرت مولانا چونکہ ایک عمدہ خطیب ہونے کے ساتھ ادیب بھی تھے اور شعر وسخن کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، مزاج میں متانت سنجیدگی کے ساتھ ظرافت اور مزاح بھی تھا، اس لئے اپنے بیان ذی شان میں وہ موقع کی مناسبت سے امثلہ اور حکایات وواقعات کو بڑے سلیقہ سے بیان فرماتے اور ترنم کے ساتھ اشعار پڑھ کر سامعین کو زندہ کر دیتے تھے۔ پہلی مرتبہ حضرت سے ہی سنے ہوئے جو بعض اشعار بے ساختہ اس وقت یاد آ گئے ہیں، وہ پیش خدمت ہیں:

الا یا ساکن القصر المعلّٰی ستدفن عن قریب فی التراب
له ملك ینادی کل یوم لدوا للموت وابنوا للخراب

وقت پر کافی ہے قطرہ خشک ابر ہنگام کا جل گیا جب کھیت مینہ برسا تو پھر کس کام کا
حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی اب ہے شاہ انجمن پہلے چراغ خانہ تھی
بے پردہ نظر آئیں کل چند بی بیاں اکبر زمیں پہ غیرت قومی سے گڑ گیا
میں نے کہا کہ بی بیو پردہ وہ کیا ہوا کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا
یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

حضرت اشعار کو خاص انداز اور ذوق سے پڑھتے تھے اور بعض اوقات اشعار کا آپ تکرار بھی فرماتے، ایک مرتبہ آپ نے کسی شعر کو مکرر پڑھا وہ شعر آپ نے کچھ اس انداز سے پڑھا کہ مجمع محو حیرت ہو کر سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگا، ادھر احقر کے بڑے بھائی جان جو اس وقت حضرت کے قریب اسٹیج پر ہی تھے بے ساختہ کہنے لگے حضرت مکرر ارشاد فرمائیں، حضرت نے فوراً فرمایا کہ بھائی مکرر تو پڑھ چکا ہوں اب تو سہ کرر ہو گا، یہ بات حضرت نے کچھ ایسے انداز سے فرمائی کہ پورا مجمع ہنسنے لگا اور ایک عجیب لطف پیدا ہو گیا۔

ایک مرتبہ تشریف لائے تو حضرت والد صاحب سے دریافت فرمایا کہ بیوی اپنے والدین

میں نماز قصر پڑھے گی یا مکمل، حضرت نے فرمایا اگر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلی تو مقیم ہے اس لئے اتمام کرے گی ورنہ قصر، فرمانے لگے کہ کسی عالم نے بہشتی زیور کے حوالہ سے اس مسئلہ میں یہ شبہ ڈال دیا ہے کہ بیوی اپنے والدین کے ہاں پوری نماز پڑھے گی، جبکہ ہم نے اس کا عکس یاد کر رکھا ہے، اس لئے اس کی تحقیق کر رہا ہوں، حضرت نے بہشتی زیور منگوا کر مسئلہ کی مکمل تشریح فرمائی کہ اصل مسئلہ وہی ہے جو آپ نے سن رکھا ہے، بہشتی زیور میں بھی اس کے خلاف نہیں ہے لیکن اس مسئلہ کی ایک شق یہ ہے کہ اگر شادی کے وقت یہ طے ہوجائے کہ بیوی مستقلاً اپنے والدین کے ہاں رہے گی تو اس کا کیا حکم ہے، بہشتی زیور میں حضرت نے اس کا حکم لکھا کہ اس صورت میں چونکہ وہ والدین کے ہاں مستقل مقیم اور رہائش پذیر ہے اس لئے وہاں وہ نماز پوری پڑھے اتمام کا یہ حکم خاص اس صورت کے ساتھ ہے علی الاطلاق نہیں ہے، اس تشریح پر حضرت مولانا بہت خوش ہوئے اور مطمئن ہو کر دعائیں دیں۔

ایک مرتبہ حضرت والد صاحب اور حضرت مولانا مرحوم ایک جلسہ میں شریک تھے منتظمین نے کھانے میں کافی تاخیر کردی جبکہ نماز بہت پہلے پڑھی جاچکی تھی، لیکن بیانات کا سلسلہ کھانے کے بعد طے تھا، احقر نے صورت حال دیکھ کر حضرت مولانا سے عرض کیا فاذاقضیت الصلوۃ فانتشروا فوراً فرمانے لگے یہاں الصلوۃ ہے صلوۃ نہیں، یہ اس پر تنبیہ تھی کہ اس آیت کریمہ میں مطلق نماز مراد نہیں بلکہ جمعہ کی نماز مراد ہے، جس کا ذکر شروع آیت یاایھاالذین امنوااذانودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ میں فرمایا گیا ہے علی حسب القاعدۃ المعرفۃ اذااعیدت معرفۃ کانت الثانیۃ عین الاولی یہاں الصلوۃ سے وہی نماز مراد ہوگی، اس سے حضرت کا علمی ذوق نیز بروقت استحضار اور حاضر جوابی واضح ہے، فللّٰہ درّہ وعلی اللہ اجرہ۔

جامعہ حقانیہ کے جلسہ پر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ کوئی عالم کسی جگہ سے گزرے تو ایک لڑکے نے دوسرے سے کہا کہ دیکھو یہ شیخ الحدیث صاحب جارہے ہیں، دوسرے طالب علم نے کہا کہ نہیں یہ شیخ الحدیث نہیں ہیں، دراصل تمہیں معلوم ہی نہیں کہ شیخ الحدیث کسے کہتے ہیں اور پھر اس کی تشریح یوں کی کہ شیخ الحدیث وہ ہوتا ہے جو حدیث پاک پڑھاتے پڑھاتے بوڑھا ہوجائے، پھر فرمایا کہ اس بچے نے بڑی کام کی بات کہی، آج کل تو اکثر حضرات شیخ الحدیث کی بجائے الشیخ الحدیث ہیں۔

شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ میں سالانہ جلسہ پر تشریف لائے بعد میں محفل جمی تو اس میں حضرت

عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک رباعی سنائی جوانہوں نے حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کواپنی مجلس میں دیکھ کر پڑھی تھی، احقر نے درخواست کی کہ آپ اسے تحریر فرمادیں تو اپنے دست مبارک سے احقر کو یہ تحریر لکھ کر دی ''حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کواپنی مجلس میں تشریف فرما دیکھ کر خطیب عالم حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رباعی پڑھی۔

صدرا بتو حاجت است چوں من صدرا بدرا بتو رونق است نیک و بدرا

از آمدنت قامت من راست شد چوں راست کنی بلند قدرا، قدرا

عبدالمجید غفرلہ ۲۲/۸/۱۴۱۲ھ

سردست اس وقت جو واقعات یاد آ گئے احقر نے بعجلت تمام وہ سپرد قلم کردیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بہت مرتبہ ان کی خدمت میں حاضری اور استفادہ کا موقع دیا، ان کے وعظ بھی خوب سنے، بہر حال ہمیشہ ان کی شفقت وعنایت حاصل رہی، پھر انہوں نے مزید کرم یہ فرمایا کہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تعلق کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ احقر کی نا اہلی کے باوجود اس میں برابر اضافہ فرمایا اور جب بھی برطانیہ سے پاکستان تشریف لائے احقر کو یاد فرمایا، احقر بھی بحمد للہ تعالیٰ ہمیشہ حسب الحکم بڑے شوق سے حاضر ہوتا رہا۔

حضرت والد گرامی کی وفات کے بعد حضرت مولانا برطانیہ سے جب پاکستان تشریف لائے تو تعزیت کیلئے ساہیوال بھی تشریف آوری ہوئی اور طلبہ میں بیان فرمایا اور پھر برابر شفقت وعنایت فرماتے رہے، ایک مرتبہ حرمین شریفین میں بھی زیارت نصیب ہوئی تو بڑی دعائیں دیں، دو سال قبل عارف والا میں ملاقات پر احقر کو گھر آنے کی خصوصی دعوت دی، کچھ عرصہ قبل جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا میں برادر مکرم حضرت مولانا اشرف علی صاحب زید مجدہم کی دعوت پر افتتاح مشکوۃ شریف کیلئے آپ تشریف لائے، بڑا عمدہ بیان فرمایا اور آخر میں بڑے اصرار کے ساتھ احقر سے اختتامی دعا کرائی بعد میں احقر کے استفسار پر برطانیہ کے حالات بیان کئے اور فرمانے لگے کہ ''دل چاہتا ہے کہ موت اپنے ملک اور احباب کے درمیان آئے بمجبوری اور احباب کے اصرار کی وجہ سے وہاں رہ رہا ہوں لیکن یہ نہیں چاہتا کہ وہاں مروں'' اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ خواہش پوری فرمادی اور انہیں اپنے گھر ضلع ساہیوال میں وفات دی اور وصیت کے مطابق جنازہ حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زید صاحب مدظلہم نے پڑھایا، اس طرح آپ کے ہزاروں تلامذہ متوسلین احباب کو اس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، ظاہر ہے کہ اگر یہ وقت

برطانیہ میں آتا تو سب ہی اس سعادت سے محروم رہتے اس طرح ع می دہد یزداں مراد متقیں کا قدرتی مظاہرہ ہوگیا، ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یّشاء۔

اس مرتبہ پاکستان تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ کافی طبیعت خراب ہے، ناسازی طبع کی وجہ سے صاحب فراش ہیں، احقر نے فون پر رابطہ کیا، فرمانے لگے طبیعت کافی خراب ہے شاید واپسی کی مدت بڑھانی پڑے، احقر نے ان کی خدمت میں حاضری کیلئے عرض کیا، تو فرمانے لگے کہ ''بھائی ہم ساری عمر مجذوب بنے رہے اب دیکھتے ہیں کہ جاذب کتنے ہیں کوئی ہمیں ملنے بھی آتا ہے کہ نہیں''۔

حضرت کے اس ارشاد کے بعد دل میں حاضری کا مزید اور شدید تقاضہ پیدا ہوا، عدیم الفرصتی کی وجہ سے احقر موقع کی تلاش میں رہا بالآخر جامعہ اویسیہ عارف والا سے حضرت مولانا محبوب احمد صاحب مدظلہ نے مدرسہ کے امتحان کیلئے فرمایا تو احقر برادران گرامی قدر مولانا اشرف علی صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ محمودیہ، مولانا مفتی طاہر مسعود صاحب مدیر جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا کے ہمراہ عازم سفر ہوا، یہ سفر ہم نے براستہ لاہور کیا اس لئے حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم سے ملتے ہوئے رات کو عزیز محترم مولوی عطاء اللہ سلمہ کے ہاں پاکپتن پہنچے، فجر کے بعد حضرت شیخ المشائخ خواجہ فریدالدین نوراللہ مرقدہ کے مزار پرانوار پر حاضری کی سعادت حاصل کی اور پھر جامعہ اویسیہ عارف والا میں امتحان سے فارغ ہوکر ضلع ساہیوال پہنچے، حضرت مولانا مرحوم کو فون پر اطلاع کردی گئی تھی اس لئے وہ ہمارے منتظر تھے، ملتے ہی فرمایا کہ ''ہم تو کل سے منتظر ہیں آپ حضرات نے آنے میں بہت تاخیر کردی اور یہ اطلاع بھی نہیں کی کہ ہم کس وقت پہنچ رہے ہیں''۔

چونکہ ہم کھانا کھا چکے تھے اس لئے فرمایا کہ ہم نے تو کھانے کا بھی انتظام کیا ہوا تھا لیکن آپ حضرات کھانا کھا کرآئے ہیں پھر مشہور مصرع ''ہم الزام انہیں دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا'' پہلے مصرع کے ساتھ پڑھا جو ہم نے پہلی مرتبہ آپ سے سنا چونکہ یہ بے قاعدگی بلاشبہ ہماری غلطی تھی اس لئے ہم نے معذرت کی جسے حضرت نے خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرمایا اس وقت حضرت مولانا کمزوری کے باوجود دیکھنے میں کافی بہتر معلوم ہورہے تھے، اعصابی کمزوری کی وجہ سے کھڑا ہونا مشکل تھا باقی ہر لحاظ سے طبیعت صحیح معلوم ہورہی تھی، ہم سب سے حسب سابق بڑی شفقت وعنایت سے پیش آئے اور کافی دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔

اس وقت ہماری سوچ یہی تھی کہ ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی یہ اعصابی مسئلہ حل ہو جائے گا اور صحت مکمل طور پر بحال ہو جائے گی چنانچہ ہم بڑے مطمئن ہو کر وہاں سے رخصت ہوئے، اس وقت دور دور تک بھی ہمیں یہ خیال نہ تھا کہ اس دارفانی میں حضرت سے ہماری آخری ملاقات ہو رہی ہے، بعد میں بھی کئی بار خیال آیا کہ رابطہ کر کے طبیعت وصحت کے بارہ میں دریافت کیا جائے لیکن آج کل پر یہ بات ٹلتی رہی اور بالآخر مورخہ ۶/ جمادی الاخری ۱۴۲۹ھ بروز بدھ ۱۱/ جون ۲۰۰۸ صبح فون پر برادرم مولانا طاہر مسعود صاحب زیدمجدہم نے یہ جانگاہ خبر سنا کر ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کہ آج صبح حضرت انتقال فرما گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون ،اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے جنازہ میں شرکت کیلئے برادر موصوف سلمہ کے ہمراہ ضلع ساہیوال کے سفر پر روانگی ہوئی، عصر کی نماز پڑھ کر جنازہ ہوا، مختلف اطراف سے علماء کرام اور طلبہ نیز ضلع ساہیوال کے حضرات نے شرکت کی، جنازہ پر کافی بڑا اجتماع دیکھنے میں آیا، زیارت کرنے سے آپ حضور اکرم ﷺ کی دعا نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فبلغھا (سنن ابن ماجہ ص ۲۱) کا مصداق معلوم ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازیں آمین۔

فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علاوہ ازیں نفاق خواہ دین کا ہو یا دنیا کا خود ایک مستقل فساد ہے، دورویہ ہونے سے بڑھ کر کوئی فساد نہیں، ایسا شخص ہمیشہ فساد پھیلاتا ہے اور کسی کا خیر خواہ نہیں ہوتا۔ مسلمان جب ان کو اس قسم کے فسادوں سے منع کرتے تو جواب میں یہ کہتے کہ انّما نحن مصلحون جز ایں نیست کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ سب شیر وشکر ہو جائیں، آپس میں کوئی اختلاف نہ رہے، نئے دین کی وجہ سے جو جھگڑا اور اختلاف پیدا ہو گیا ہے کہ ایک دوسرے کے درپے قتل وغارت اور ایذاء اور ہتک حرمت ہو گیا ہے وہ سب یک لخت ختم ہو جائے اور ملک اور ملت پہلی حالت پر لوٹ آئے اور سلسلہ معاش وتجارت حسب سابق جاری ہو جائے۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں الا انّهم هم المفسدون آگاہ ہو جاؤ کہ یقیناً یہی لوگ مفسد ہیں کہ کفر اور ایمان، اور شرک اور توحید کو ایک کرنا چاہتے ہیں، اور جس کفر وشرک کے فتنہ اور فساد کی اصلاح کیلئے حق تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے یہ فتنہ پرداز پھر اسی فساد کو دوبارہ اپنی جگہ پر لانا چاہتے ہیں، اور لیکن قلبی مرض کی وجہ سے ان کا باطنی احساس اس درجہ مختل ہو گیا ہے کہ اصلاح اور فساد کے فرق کو بھی محسوس نہیں کرتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ دین حق فتنہ نہیں بلکہ کفر اور شرک ہی فتنہ اور فساد ہے، اسی کے مٹانے اور اسی کی اصلاح کیلئے حضرات انبیاء مبعوث ہوئے اور کفر اور شرک ہی کے فتنہ کے استیصال کیلئے جہاد وقتال کرنا عین اصلاح ہے، جہاد کو فساد بتانا یہی فتنہ اور فساد ہے كما قال تعالىٰ وقاتلوهم حتّٰى لاتكون فتنة وّيكون الدين كلّه للّٰه کافروں سے قتال وجہاد کرو یہاں تک کہ کفر اور شرک کا فتنہ اور فساد باقی نہ رہے اور دین اللہ کیلئے ہو جائے۔ وقال تعالىٰ يسئلونك عن الشّهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير وصدّ عن سبيل اللّٰه وكفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عند اللّٰه والفتنه اكبر من القتل لوگ آپ سے ماہ حرام میں قتال کرنے کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ بے شک ماہ محرم میں ابتداء قتال کرنا بہت بڑا گناہ ہے، لیکن اللہ کے دین سے لوگوں کو روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا

اور مسجد حرام سے مسلمانوں کو تنگ اور پریشان کر کے نکالنا ماہ حرام میں قتال کرنے کے جرم سے کہیں زیادہ ہے اور کفر اور شرک کا فتنہ قتل و غارت گری کے فتنہ سے بہت بڑا ہے۔

اگر کسی مریض کا ہاتھ گل یا سڑ گیا ہو تو اس عضو کا کاٹ دینا اور اس کا داغ دے دینا ہی حاذق طبیب کے نزدیک اصلاح ہے، ورنہ اگر اس عضو کو قطع نہ کیا گیا تو تمام بدن کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے، اسی طرح سے اگر اعداء اللہ سے جہاد و قتال نہ کیا جائے تو روحانی طور پر تمام عالم کے خراب ہونے کا اندیشہ بلکہ ظن غالب ہے۔ اب آئندہ آیت میں ان کی بے شعوری کی ایک دلیل بیان فرماتے ہیں کہ وہ اہل عقل اور حق تعالیٰ کا اتباع کرنے والوں کو بیوقوف اور احمق سمجھتے ہیں۔

یہی حال ملاحدہ اور زنادقہ کا ہے کہ آیات اور احادیث میں تاویلات فاسدہ کر کے مسلمانوں کو فتنہ اور فساد میں ڈالتے ہیں اور بے عقلی سے اس فساد کو صلاح سمجھتے ہیں۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ جیسا کہ ایمان لائے وہ لوگ کہ جو حقیقۃً انسان اور آدمی ہیں۔ انسان حقیقت میں وہی ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر اخلاص کے ساتھ ایمان رکھتا ہو، ورنہ وہ شخص ع ایں نہ آدم بل خلاف آدمند کا مصداق ہے۔ ناس سے اس جگہ مطلقاً صحابہ کرام مراد ہیں یا علماء بنی اسرائیل مراد ہیں جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ، اور تاریخ ابن عساکر میں ابن عباس سے کما امن النّاس کی تفسیر اس طرح منقول ہے کما امن ابوبکر و عمر و عثمان و علی، اور ان چار کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ایمان وہی معتبر ہے کہ جو خلفاء راشدین کے منہاج اور منوال پر ہو۔ اور کما امن النّاس کے لفظ سے اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور تصدیق اسی قسم کی معتبر ہے کہ جس قسم کی صحابہ کرام اور خلفاء راشدین نے تصدیق کی، ورنہ جو شخص ملائکہ اور جنت اور جہنم وغیرہ وغیرہ کی تصدیق اس معنی کے لحاظ سے نہ کرے کہ جس معنی سے صحابہ کرام تصدیق کرتے تھے بلکہ اپنی ہوائے نفسانی اور شیطان قرین کے القاء کئے ہوئے معنی کے لحاظ سے کرے تو وہ اصلاً معتبر نہیں، ایسی تصدیق تکذیب کے مرادف ہے اور ایسا ایمان بلاشبہ کفر کے ہم معنی ہے۔ الحاصل جب منافقین سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم ایسا ایمان لاؤ کہ جیسا صحابہ کرام ایمان لائے تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسا کہ ایمان لائے بیوقوف، کہ دین کے دیوانے بنے ہوئے ہیں اور زمانہ کے انقلابات سے نہیں ڈرتے ممکن ہے کہ دوسری طرف کا غلبہ ہو جائے، دین کی محبت میں دنیاوی مصالح کو نظر انداز کر دیا۔

درس حدیث

رحمۃ الفردوس ترجمہ بہجۃ النفوس

مؤلف: حضرت امام حافظ ابو محمد عبداللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی رحمہ اللہ

مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

مگر اس مضمون سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ (دین میں) مطلوب کمال ہی ہے جس کا نام قوت اور ترقی ہے، ہاں اگر کوئی شخص درجۂ کمال سے عاجز ہو تو اس کو کسی قدر نیچے درجہ کی طرف لوٹنا چاہئے جو اس کی طاقت (اور ہمت) کے مناسب ہو اور درجۂ کمال حاصل کرنے میں مبالغہ اور مغالبہ کی حد سے بچنا چاہئے، کیونکہ (اس صورت میں) دین اس کو ہرا دے گا جیسا اوپر بیان کیا گیا۔

مثلاً اگر کوئی شخص ایمان اور اسلام میں جو کہ دین کے دو پہلو ہیں تعمق (او تکلف) سے کام لے تو یقیناً دین اس کو عاجز کردے گا، کیونکہ اس کی عمر ختم ہوجائے گی اور دونوں میں سے کسی ایک کا دسواں حصہ بھی پورا نہ کرسکے گا۔ مثال کے طور پر ایمان ہی کو لے لو، اگر کوئی یہ ارادہ کرے کہ بغیر تقلید کے (اپنی عقل سے) ایمان حاصل کرنا چاہئے اور اس کے بعد وہ استدلال واستنباط (اور دلائل ومقدمات کی چھان بین) میں مشغول ہو تو اس کی عمر ختم ہوجائے گی اور مقصود تک نہ پہنچ سکے گا۔

چنانچہ اس مقام پر رئیس المحققین ابو المعالی (ابن الجوینی) رحمہ اللہ نے بھی عجز کا اقرار کرلیا ہے۔ معتبر طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اہل اسلام کو اور ان کے علوم (نقلیہ) کو (ایک طرف) چھوڑ کر بڑے سمندر میں قدم ڈالا (یعنی تحقیق عقلی کے سمندر میں داخل ہوا) اور اس مقام پر غوطہ لگایا جس سے مسلمانوں کو (شریعت میں) منع کیا گیا ہے (یعنی ذات وصفات باری کی تحقیق عقل سے شروع کی) اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ میں تقلید سے بھاگتا اور خود (اپنی عقل سے) حق کو پانا چاہتا تھا، مگر اب میں ان سب باتوں سے ہٹ کر سچی بات کی طرف واپس آگیا ہوں (کہ تحقیق عقل سے حق کو کوئی نہیں پاسکتا بلکہ اتباع رسول ہی سے پاسکتا ہے) اور ابن جوینی کا ناس ہو (یہ خود اپنی بابت فرما رہے ہیں کہ میں نے فضول وقت ضائع کیا)

تو جب رئیس المحققین کا یہ قول ہے جس نے بغیر تقلید کے حق کو معلوم کرنا چاہا تھا، اور اس کو

اپنے عجز کا اقرار ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ان کے بعد اس قسم کا ارادہ کرتے ہیں۔

ایسے ہی اگر کوئی یہ ارادہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کے جو حقوق بندوں پر ہیں ان کو پوری طرح ادا کرنا چاہئے تو اس کی عمر ختم ہوجائے گی اور اس کا دسواں حصہ بھی نہ ادا کر سکے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں فرماتے ہیں یایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ حق تقاتہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا ان سے ڈرنے کا حق ہے۔اور یہ وہ چیز ہے کہ انسان اس کا تھوڑا سا حصہ ہی ادا کر کے رہ جاتا ہے (پورا تو اس سے کیا ادا ہوگا) اور اس کی توضیح کیلئے (حضرت) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث کافی ہے کہ انہوں نے رات بھر نماز پڑھنے اور ہر دن روزہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کو اس کی طاقت نہیں ۔یہ تو دین کی دو باتوں کی حالت ہے (کہ انسان ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا) تو دین کے بقیہ اجزاء کو عظمت (خداوندی) کے لائق کیونکر ادا کر سکے گا۔پس لامحالہ اس پر یہ بات صادق آگئی کہ دین اس کو ہرا دے گا۔

تو خلاصی کا طریقہ اور بہتر صورت یہی ہے کہ (دین کا) درجۂ کمال اس طرح حاصل کیا جائے کہ زیادہ مبالغہ نہ ہونے پائے، چنانچہ ایمان میں تو اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے یقین اور تصدیق کے ساتھ شریعت کے موافق ایمان حاصل کیا جائے اور (دل سے) تمام شکوک (وشبہات) کو دور کیا جائے۔ جب یہ بنیاد مضبوط اور پختہ ہوجائے تو اس کے بعد دلائل (توحید) میں اس طریقہ سے غور وفکر کیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم کیا ہے کہ آسمان اور زمین کی مخلوقات میں تامل کرے تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل قائم ہو۔

اسی کا ایک شعبہ یہ ہے کہ آسمان کے ستاروں کو، ان کی مختلف حالتوں کو، سورج کو اور چاند کو، اور چاند کے گھٹنے، بڑھنے کو اور اس کے سوا دوسری باتوں کو (جو ان کے اندر پائی جاتی ہیں) غور سے دیکھے۔نیز زمین کے مختلف حصوں میں غور کرے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زمین کے مختلف قطعات آس پاس ہیں اور انگوروں کے باغات اور کھیتیاں اور کھجوریں ہیں جن میں سے بعض اوپر جا کر دو تنے والی ہوجاتی ہیں اور بعض ایک ہی تنہ کی رہتی ہیں (تو کیا یہ قدرت کی نشانیاں نہیں ہیں کہ ایک ہی زمین سے کہیں کچھ پیدا ہو رہا ہے کہیں کچھ، یہی زمین کی مٹی کہیں انگور بن جاتی ہے کہیں انار، کسی جگہ پھول بن جاتی ہے کسی جگہ گیہوں اور کوئی زمین عمدہ ہے کوئی بنجر)

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

O فرمایا عقائد کا اثر اعمال پر بھی پڑتا ہے اس لئے عقائد سے یہ اثر بھی مقصود ہے، مثلاً مسئلہ توحید میں ایک محقق نے اس اثر کو ظاہر کیا ہے۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرش | چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس | ہمیں ست بنیاد توحید وبس

اس کی تائید آیت سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ سورۂ حدید میں تعلیم مسئلہ تقدیر کے بعد اس کی ایک غایت اس طرح ارشاد فرمائی ہے لکیلا تأسوا علٰی مافاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم، کیونکہ یہاں کوئی نہ کوئی عامل ضرور مقدر ہوگا اور وہ جو ماقبل کے مناسب ہوا اور وہ اخبر ہے یعنی اخبر عن ھذہ المسئلۃ لکیلا تاسو الخ تو اس بنا پر تقدیر کے عقیدہ کا یہ اثر ثابت ہوا کہ اس سے غم ہلکا ہو جاتا ہے اور عجب نہیں ہوتا، اسی طرح ہر عقیدہ سے کسی نہ کسی عمل پر ایک خاص اثر پڑتا ہے غور سے معلوم ہو سکتا ہے۔

O فرمایا ایک مقام سے ایک خط آیا ہے کہ ایک سو پچیس روپیہ مدرسہ کیلئے ارسال کیا گیا ہے اگر اس کی رسید نہ آئی تو اگلے سال ارسال نہ ہوگا، سو میں خود اس کو بھی واپس کر دوں گا اور وجہ یہ لکھوں گا کہ ہم نے تم سے مطالبہ اس کا کب کیا ہے جو رسید پر ایسا زور دیتے ہو، رسید کو تو وہ ضروری سمجھے جو رقم کی تحریک کرے، لہٰذا اسی سال سے واپس ہے۔

O فرمایا پانی پت کے قریب ایک جگہ ہے محمد پور وہاں کے ایک رہنے والے نے جو مجھ سے بیعت بھی ہیں پندرہ روپیہ ہمارے مدرسہ کیلئے پیش کئے، مجھے کچھ وہم ہوا (اور مجھے اکثر وہم بلا وجہ نہیں ہوتا یا قرائن سے ہوتا ہے یا بعض دفعہ دل میں کھٹک پیدا ہو جاتی ہے) میں نے ان سے کہا کہ پانی پت تم سے قریب ہے اور وہاں بھی مدرسہ ہے اور قریب کا حق زیادہ ہوتا ہے تم نے یہ روپیہ وہاں کیوں نہ دیا؟ کہا یہ خیال ہوا کہ وہاں دینا ریاء ہے، میں نے کہا مجھ کو تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہاں دینے میں یہ مصلحت ہے کہ پیر بھی راضی ہوں گے کہ ہمارے مدرسہ میں دیا اور اللہ میاں بھی، سو ہم ایسی شرک کی رقم مدرسہ میں

نہیں لینا چاہتے اور رقم واپس کر دی، صبح کو انہوں نے آ کر اقرار کیا کہ واقعی میری نیت خراب تھی اب میں اس نیت سے توبہ کر چکا ہوں اور توبہ کر کے پھر پیش کرتا ہوں، میں نے کہا اب لاؤ۔

O فرمایا اہل علم میں استغناء کی شان ہونا چاہئے کہ اصل ذلت عرض حاجت میں ہے، پھٹے پرانے کپڑوں میں ذلت نہیں۔ اور استغناء میں نیت دین کے اعزاز کی ہونا چاہئے اس نیت سے ثواب بھی ہوگا، اور دنیاداروں کے پاس ملنے بھی نہ جاویں باقی غریب کے پاس جانے میں ذرا ذلت نہیں۔

O فرمایا میں جب نواب صاحب کے بلانے پر ڈھاکہ گیا تو وہاں بنگال کے اہل علم اطراف سے ملاقات کو آئے، میں نے سب سے کہہ دیا کہ کھانا بازار سے کھانا چاہئے، جب نواب صاحب کو پتہ چلا تو اپنے چچا سے کہ وہی منتظم تھے کھانے کے فرمایا کہ ان سب کا کھانا ہمارے یہاں سے ہوگا، انہوں نے مجھ سے کہا، میں نے کہا وہ میرے احباب ہیں طفیلی نہیں ہیں، میں ان سے نہیں کہتا آپ خود ان کی دعوت کیجئے وہ اگر منظور کرلیں ان کی مرضی، پھر ایک ایک کی تلاش کر کے دعوت کی تب وہ میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے، اور میرے اس طرح نہ کہنے سے طفیلی بن کر کھاتے، اور ان صاحبوں نے مجھ سے پوچھا میں نے اجازت دے دی، پھر میں نے ان سے کہا کہ ملاحظہ فرمایئے عزت اس میں ہے یا اس میں کہ طفیلی بن کر شامل دعوت ہوتے۔

O ایک شخص نے خط میں سوال کیا کہ بیس تراویح کا کیا ثبوت ہے؟ اس کو جواب تحریر فرمایا کہ کیا مجتہدین پر اعتبار نہیں ہے (یہ جواب لکھنے کے بعد) فرمایا اگر اس شخص نے یہ جواب لکھا کہ مجتہدین پر اعتبار نہیں ہے تو یہ جواب لکھوں گا کہ پھر مجھ پر کیسے اعتبار کرلیا جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے حضرات پر اعتماد نہ کیا۔

O فرمایا قبور کی زیارت سے یہ قصد ہونا چاہئے کہ موت یاد آتی ہے اور یہ کہ میری دعا سے اہل قبور کو فائدہ پہنچے گا۔

O فرمایا مقولہ من لا شیخ لہ لشیخہ الشیطان کا معنی یہ ہے کہ من لا متبوع لہ تو اس سے شیخ عرفی کا اتخاذ لازم نہیں آتا، اور یہ قول حدیث نہیں ہے البتہ ایک اور حدیث میں یہ مضمون ہے الشیخ فی قومہ کالنبیؐ فی امتہ، مگر اس حدیث میں شیخ سے مراد معمر آدمی ہے اور حدیث کا مدلول تشبیہ ہے احترام میں اور مصلح ہونے میں، یہاں بھی پیر کا معنی نہیں، اور اس حدیث کی تخریج عراقی نے کی ہے۔

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

اصلاحی مکاتیب

سالکین کے خطوط اور حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کے جوابات

حال: کیا اچانک نظر پڑنے کے بعد خود بخود بشر ہونے کی صورت میں دل میں کوئی خیال آوے تو اس پر بھی مواخذہ ہوگا۔

ارشاد: نہیں۔

حال: بعض وقت فوری طور پر بڑے عجیب خیالات آتے ہیں جن سے دل ڈرتا بھی ہے اور وہ خیالات آناً فاناً قصداً دور ہو جاتے ہیں۔

ارشاد: بس پھر کچھ گناہ نہیں ہوتا۔

حال: بغرض اپنی اصلاح کے اپنے حضرات میں سے کسی کے پاس رہنا نصیب نہیں ہوا۔

ارشاد: اللہ تعالیٰ ان حضرات کی برکات سے نوازیں ان کے بعد ان کی کتابوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور وہ ان کے قائم مقام ہوتی ہیں۔

حال: اب جی چاہ رہا ہے کہ چند دنوں کیلئے آنجناب کی خدمت میں حاضری دوں۔

ارشاد: حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ملفوظات بالالتزام دیکھتے رہیں ان سے بنسبت میرے پاس رہنے کے زیادہ فائدہ ہوگا اس پر عمل کرتے رہیں۔

حال: اس کے علاوہ احقر اپنی بیوی کو ماہانہ جیب خرچ دیتا ہے تا کہ اس کو اپنی مرضی سے خرچ کرلے۔

ارشاد: یہ حسن معاشرت اور بہت اچھی بات ہے۔

حال: ان تمام حالات و معاملات کے باوجود پھر اس کے دل میں میری ذرا بھی قدر نہیں۔

ارشاد: دل میں قدر رہوتے ہوئے بھی بعض دفعہ طبیعت کی کمزوری سے ایسے افعال واقوال صادر ہو جاتے ہیں ان پر زیادہ خیال نہ کیا جائے اور زیادہ سوچا نہ جائے معاملہ کو جلدی سے رفع دفع کردیا کریں۔

حال: پھر ذہنی الجھن میں طرح طرح کے ذہن میں خیال آتے ہیں شیطان بھی اس وقت پوری طرح سے دماغ پر مسلط ہوتا ہے۔

ارشاد: اس کے کہنے پر عمل نہ کیا جائے بجز اپنے کو کسی دوسرے کام میں لگالیا جائے۔

حال: مزید یوں کہتی ہے کہ آپ سے دوسرے اپنی بیویوں کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔

ارشاد: اس بحث میں نہ پڑیں جو بہتر سلوک ہو سکے وہ کرتے رہیں۔

حال: حضرت اسے کچھ تو احساس ہونا چاہئے جبکہ اس کا پورا پورا خیال رکھا جاوے۔

ارشاد: نرمی سے ہی احساس ہوسکتا ہے مطالبہ کرنے یا دل کے تقاضہ کرنے سے اپنی طبیعت پر بوجھ ہوتا ہے یہ نہیں چاہئے۔

حال: اگر اسے کسی قسم کی کوئی خواہش ہو تو صاف صاف کہے کہ مجھے فلاں چیز کی خواہش ہے۔

ارشاد: یہ عورتوں کی کمزوری ہے اور جیسا کسی کو اللہ تعالیٰ نے بنادیا ہے اسکے ساتھ اسی طرح نباہ کرنا چاہئے۔

حال: خاوند پر بیوی کے فرائض اور واجبات کے درجہ میں کیا کیا حقوق ہیں۔

ارشاد: بہشتی زیور اور وعظ "حقوق البیت" غور سے پڑھیں۔

حال: ذہن پر بہت بڑا بوجھ ہے کہ میں اتنی کوشش کے باوجود اسے خوش نہیں کرسکا۔

ارشاد: بوجھ نہیں ہونا چاہئے جو کوشش اختیار میں ہے اسے کرتے رہنا چاہئے۔

حال: میری ساری محنت اور کوشش بے کار گئی۔

ارشاد: نہیں اس کا بہت اجر ملے گا ان شاء اللہ۔

حال: خدا جانے میری نماز روزہ وغیرہ بھی عند اللہ مقبول ہیں یا نہیں۔

ارشاد: حسن ظن رکھنا چاہئے کہ قبول ہیں۔

حال: ایک بندہ جس کو راضی کرنے میں میرا اپنا حظ ہے نہیں کرسکا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا حال ہوگا۔

ارشاد: وہ بہت کریم ہیں اور قدر دان ہیں بہت جلد راضی ہوجاتے ہیں۔

حال: بہت زبان دراز ہے کوئی بات نہیں ہوتی جس کا جواب نہ دے۔

ارشاد: صبر ہی اس کا علاج ہے۔

حال: ان تمام مضامین میں میرے جو جو امراض ہیں ان کا علاج اور دعا فرماویں۔

ارشاد: صبر اور تحمل ہی وہ کلی علاج ہے جس کے سوا دوسرا علاج نہیں ہے باقی خود بھی دعا کرتے رہا کریں اور سوچا کریں کہ اس صورت میں میرے لئے اجر مقدر فرمایا گیا ہے بس یہ مراقبہ جاری رکھیں باقی دعا بھی کرتا ہوں۔

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

توضیح المراد لمن تخبط فی عقوبۃ الارتداد

اسلام میں ارتداد کی سزا

مخالفین کے شبہات کا ازالہ (قسط ۱)

پاکستان اسلامی جمہوریہ حکومت ہے، ایک اسلامی حکومت میں یہ بات قابل اعتراض ہونے کے ساتھ باعث اضطراب وتشویش بھی ہے کہ اس میں حکومت کے اساسی نظریۂ اسلام کے خلاف سرگرمیوں پر کسی قسم کی پابندی نہ لگائی جائے اور عیسائی مشنریوں تک کو کھلی اجازت ہو کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرکے مسلمانوں کو عیسائی بناتے رہیں، اور مسلمانوں پر بھی کوئی ایسی پابندی نہ لگائی جائے کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کرکے عیسائی وغیرہ بنانے سے باز رہیں اور اس طرح مذہب اسلام کے تبدیل کرنے کی مسلمانوں کو کھلی چھٹی حاصل ہو۔ اسلامی حلقوں کی یہ شکایت بجا ہے کہ پاکستان میں عیسائی مشنریوں کو مسلمانوں میں ارتداد کے جراثیم پھیلانے کا حق دے دیا گیا اور انہوں نے مسلمانوں کو اسلام سے گمراہ کرکے عیسائی بنالیا ہے۔

آزادی کے وقت ہمارے ملک میں عیسائیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے کم تھی، آج ان کی تبلیغی سرگرمیوں اور ترغیب وتحریص کے شکم پرور ذرائع کی وجہ سے ان کی تعداد ۲۸ لاکھ سے اوپر ہے (نوائے وقت ۲۳ مئی ۱۹۷۳ء)

بلاشبہ شخصی حقوق کے تحت اس بات کی اجازت پر تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی شہری اپنے مذہب پر عقیدہ رکھے، اس پر عمل کرے، مگر قانون اسلام کی رو سے کسی مسلمان کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ مذہب اسلام کو تبدیل کرکے مرتد ہوجائے اور وہ مملکت کے اساسی نظریۂ اسلام کو ترک کردے۔

ایک مسلمان کا دین اسلام سے انحراف اور اسلامی سلطنت کے اساسی نظریۂ اسلام سے بغاوت کرنا اگر قابل سزا جرم نہیں ہے تو کیا اس سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ دین اسلام (نعوذ باللہ) ایک

بے حقیقت دین ہے، جس سے انحراف کی کوئی سزا نہیں ہے۔ کیا دین اسلام اور اسلامی مملکت ایسی ہی بے قدر و قیمت چیزیں ہیں کہ ان کے بارہ میں کھلی اجازت ہو کہ جس قسم کا چاہے طرز عمل اختیار کر لیا جائے اور کوئی روک ٹوک نہ کی جائے۔ نوائے وقت ۱۳ فروری ۱۹۷۳ء کے شمارہ میں الحاج ممتاز احمد فاروقی نے مولانا مفتی محمود صاحب کے انٹرویو کے جواب میں جو مضمون "مسئلہ ارتداد اور اسلام" کے عنوان سے سپرد قلم کیا ہے اور اس میں انہوں نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ "کیا مذہب اسلام نے واقعی ارتداد کی سزا قتل مقرر کی ہے"؟

اس سوال کا جواب یہی ہے کہ اسلام نے واقعی ارتداد کی سزا قتل مقرر کی ہے اور یہی سزا قرآن کریم اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ ارتداد کے معنی اگر چہ لغت میں لوٹ جانے اور پھر جانے کے ہیں مگر اصطلاح شریعت میں اسلام اور ایمان میں داخل ہونے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جانے کے ہیں، مفردات امام راغب میں ہے ھو الرّجوع من الاسلام الی الکفر اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ارتداد ہے، اور ظاہر ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس سے ارتداد میں اسلام کی بے قدری اور اس کی سخت توہین ہے اس لئے ارتداد کی سزا قتل مقرر کی گئی ہے، جس طرح کسی حکومت کی رعایا بن جانے کے بعد اس سے بغاوت کی سزا سخت ہوتی ہے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے قوانین کی رو سے فاروقی صاحب کے مضمون کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کے دلائل کا تجزیہ کیا جائے۔

پہلی دلیل اور اس کا تجزیہ

مضمون نگار نے پہلی دلیل ارتداد کی سزا قتل نہ ہونے پر قرآن کریم کی آیت نمبر ۲۵۶ پیش کی ہے، وہ لکھتے ہیں "قرآن کریم نے سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۵۶ میں صاف فرمایا ہے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے" آگے لکھتے ہیں کہ "قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے پیروؤں کو جبر کچھ نہیں منواتا بلکہ جو چیز منواتا ہے اس کی دلیل یہی دیتا ہے کہ ہدایت کی راہ واضح ہو چکی"۔

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں لا اکراہ فی الدین "زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں، اس سے اوپر کی آیت وانّک لمن المرسلین "اور بلاشبہ آپ ہمارے پیغمبروں میں سے ہیں" میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کی رسالت کا بیان ہے، اور زیر

تفسیر آیت سے ملی ہوئی آیت الکرسی میں حق تعالیٰ کی توحید ذات اور عظمت صفات کا بیان ہے اور یہی دو امر توحید و رسالت جن کا ذکر اس آیت سے پہلے فرمایا گیا ہے دین اسلام کے اصل الاصول ہیں، اور جب ان دونوں کو دلائل سے ثابت کر دیا گیا تو اس سے دین اسلام کی حقانیت کا بھی لازمی طور پر ثبوت ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حق

حق تعالیٰ جل شانہ اپنی ربوبیت عامہ اور حکومت کاملہ اور مخلوق کی محکومیت اور عبدیت کی بنا پر اپنے مخلوق ومحکوم بندوں کو دین اسلام کے قبول وتسلیم کرنے پر مجبور کریں تو یہ بھی ان کا جائز حق ہے ، اس لئے حضرت حق سبحانہ تعالیٰ اگر تکوینی طور پر اپنے اس حق کی ادائیگی کا بجبر مطالبہ کریں اور اپنی قدرت وتصرف سے سب کو اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کردیں یا تشریع کے ذریعہ ایسا شرعی ضابطہ مقرر فرما دیتے جس سے بجبر سب کو اسلام میں داخل ہونا پڑتا تو کسی کو اس پر حرف گیری اور لب کشائی کا حق نہیں پہنچتا، کیونکہ وہ سب کا خالق اور مالک ہے اور خالق و مالک کو اپنی مخلوق ومملوک میں ہر طرح کے تصرف کرنے اور اس کیلئے ہر قسم کے قانون بنانے کا حق حاصل ہونا ایک مسلمہ بات ہے۔

باوجود حق ہونے کے جبر نہ کرنے میں حکمت

لیکن چونکہ یہ دنیا آزمائش اور ابتلاء کا مقام ہے اس لئے دنیا میں کسی شخص کو ایمان لانے اور اسلام کے قبول کرنے پر اس طرح مجبور کرنا کہ اس کو ایمان کے قبول نہ کرنے پر اختیار ہی نہ رہے اور اس کے قبول کرنے پر وہ تکوینی یا تشریعی طور پر مجبور محض ہو جائے حکمت کے خلاف ہے، کیونکہ اس سے آزمائش وابتلاء کی مصلحت فوت ہو جاتی ہے، اس لئے حق تعالیٰ نے کسی کو دین اسلام کے قبول کرنے اور ایمان لانے پر نہ تو تکوینی طور پر مجبور فرمایا اور نہ ہی تشریعی طور پر کوئی ایسا قانون بنایا کہ لوگوں کو مجبورا اسلام قبول کرنا پڑتا ہو۔

دین اسلام قبول کرنے میں اختیار

اس لئے بندوں کو نہ صرف یہ کہ باختیار خود ایمان لانے کا اختیار دے دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے اختیار سے ایمان لا کر دین اسلام کو قبول کریں اور اگر نہ چاہیں تو قبول نہ کریں، بلکہ ایمان کے معتبر ہونے کیلئے اس کا باختیار خود قبول کرنا شرط قرار دے دیا اور حالت اضطرار اور جبر و اکراہ سے قبول کیا ہوا ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر معتبر اور نامقبول قرار پایا۔

آیت کی تفسیر

آیت زیرِ تفسیر میں اسی بات کا اعلان فرمایا گیا ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں لا اکــراہ فــی الدین یعنی (دین) کے قبول کرنے (میں) ہماری طرف سے (کوئی جبر نہیں ہے) بلکہ ہر ایک کو ہم نے اختیار دے دیا ہے، اور اپنے اختیار کو ایمان کیلئے کام میں لائے یا کفر کیلئے یہ ہر شخص کا اپنا کام ہے۔ اور دین کے قبول کرنے پر جبر کا اس لئے موقع نہیں ہے کہ قــد تبیّــن الــرّشــد من الغیّ ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے اور اسلام کی خوبی قطعی دلائل سے واضح ہے، اور جبر و اکراہ ایسے کام میں کیا جاتا ہے جس کی خوبی مخفی ہو واضح نہ ہو، جب دلائل سے دین اسلام کی خوبی ثابت کر دی گئی اور ہدایت گمراہی سے ممتاز اور جدا ہو چکی تو اب جبر و اکراہ سے کسی کو اسلام قبول کرانے اور مسلمان بنانے کی کیا حاجت ہو سکتی ہے؟

ایسی حالت میں جو شخص بھی دین اسلام کی خوبیوں سے اعراض اور اس کے محاسن سے صرف نظر کرے گا اور ہدایت سے روگردانی کر کے کفر و گمراہی کو اختیار کرے گا تو وہ دیدہ و دانستہ اپنے اختیار سے خود کو تباہی میں ڈالے گا، اس لئے اس کا ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہوگا، کسی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ ایسے شخص کو اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کرے۔

اسلام و کفر کے احکام

البتہ یہ ضرور ہے کہ اسلام اور کفر میں سے جس کو بھی اختیار کیا جائے گا اس کے احکام اور آثار اس پر ضرور مرتب ہوں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مثلاً دین اسلام کے قبول کرنے پر مومن کیلئے جنت کی ہمیشہ کی راحتیں اور قبول نہ کرنے پر دوزخ کی دائمی تکالیف، یہ تو آخرت میں اسلام و کفر کے آثار اور اچھے برے نتائج ہیں۔ اور مثلاً مومن کا معصوم الدم ہونا اور کافر کا بعض حالتوں میں مباح الدم وغیرہ ہونا اسلام و کفر کے دنیا میں احکام اور نتائج ہیں۔ کیا یہ احکام لا اکراہ فی الدین کے خلاف ہیں؟ تفسیر مذکور سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس آیت میں جس جبر و اکراہ کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد دین اسلام کے قبول کرنے میں جبر و اکراہ ہے، اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ کسی کافر اور غیر مسلم کو دین اسلام کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا، مگر اس کا یہ مطلب سمجھنا درست نہیں ہے کہ قرآن کریم اپنے پیروؤں کو بھی بجبر کچھ نہیں منواتا اور مسلمانوں پر بھی اسلام کے ترک کرنے پر پابندی عائد نہیں کرتا، جیسا کہ

مضمون نگار نے سمجھ لیا ہے، آیت کا یہ مطلب ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ اس کا یہ مطلب بتلایا جائے کہ دین کے معاملہ میں جتنی بھی سختی اور جبر کیا جائے اس کو سختی اور جبر نہیں سمجھا جانا چاہئے اور دین کے معاملہ میں ہر طرح کا جبر کرنے کی اجازت ہے۔ اگر دین میں جبر و اکراہ کی نفی کا یہ مطلب لیا جائے کہ اسلام کے قبول کر لینے کے بعد ہر قسم کی آزادی کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے اور اس سے بجبر کچھ نہیں منوایا جاتا، یہاں تک کہ اسلام کے بعد کفر کو اختیار کرنے پر بھی اس سے دارو گیر نہیں کی جاسکتی پھر تو کسی بھی جرم کے ارتکاب پر سزا کا نافذ کرنا جبر و اکراہ کی نفی کے خلاف ہوگا اور ہر شخص جرم نہ کرنے پر مکرہ اور مجبور ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ مطلب بالبداہت غلط اور باطل ہے، کیونکہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ قتل، زنا، چوری وغیرہ کی جو سزائیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں ان سزاؤں کا نفاذ اور اجراء بھی جبر و اکراہ میں شمار کیا جائے اور ان سزاؤں کے خوف سے جو لوگ ان جرائم پر اقدام نہیں کرتے وہ بھی جرائم کے نہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اسی طرح حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے اور نماز، روزہ وغیرہ فرائض کے ادا نہ کرنے پر کسی قسم کی سزا کا تجویز کرنا بھی جبر و اکراہ میں داخل ہو جائے گا، اور حقوق زوجیت وغیرہ کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بھی کسی کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں رہے گا اور نہ اس پر کسی طرح کی سزا مقرر کرنا جائز ہوگا اور یہ کہہ دیا جائے گا کہ قرآن اپنے پیروؤں کو بھی بجبر کچھ نہیں منواتا، اس لئے حقوق اللہ یا حقوق العباد کے ترک کرنے اور اس میں کوتاہی کرنے پر اگر سزا تجویز کر دی گئی تو ان حقوق کی ادائیگی پر جبر و اکراہ لازم آکر لا اکراہ فی الدین کے خلاف ہو جائے گا تو کیا اب قاتلوں، زانیوں اور شرابیوں، چوروں کو بھی کھلی چھٹی دے دی جائے گی اور ان پر کوئی سزا نہیں تجویز کی جائے گی؟ کیا نماز، روزہ اور حقوق اللہ نیز حقوق العباد کے ترک پر بھی کسی کی دارو گیر نہیں کی جائے گی؟ آیت میں جبر و اکراہ کی نفی کا یہ مطلب کہیں کسی بھی عاقل کے نزدیک درست ہو سکتا ہے؟ اور کیا کوئی بھی دنیوی قانون اور حکومت اس قسم کی کھلی چھٹی دے سکتا ہے؟

مرتد کی سزا بھی لا اکراہ فی الدین کے خلاف نہیں

اگر جرم قتل اور جرم زنا وغیرہ کی سزا کو جبر و اکراہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا تو جرم ارتداد اور ترک اسلام کی ایسی سزا کو جبر و اکراہ کیونکر کہا جاسکتا ہے؟ جس طرح یہ سزائیں ان افعال اختیاریہ پر مرتب ہوتی ہیں اسی طرح ارتداد اور اسلام کے بعد اس کے انکار و کفر کو اپنے اختیار سے قبول کرنے کا نتیجہ

سزائے قتل کی صورت میں مرتد پر مرتب ہوتا ہے اور اس کو وہ اپنے اختیار سے برداشت کرتا ہے۔

سزائے ارتداد اور حد زنا و قصاص میں فرق

غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ سزائے ارتداد اور حد زنا اور قصاص میں یہ فرق بھی ہے کہ حد زنا اور قصاص سے بچنا زانی اور قاتل کے اختیار سے خارج ہو جاتا ہے اور مرتد کو سزائے قتل سے بچنے کا اختیار حاصل رہتا ہے، اگر وہ چاہے تو ارتداد سے توبہ کر کے سزائے قتل سے بچ سکتا ہے لیکن زانی اور قاتل کے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ حد زنا اور قصاص سے خود کو بچا لے۔ اب اگر مرتد کفر کو اختیار کر کے اس کے نتیجہ سزائے قتل کو اختیار کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا اختیاری فعل ہے اس پر وہ مجبور نہیں ہے، اسی طرح اگر وہ توبہ کر کے اسلام کو قبول کر لیتا ہے تو یہ بھی اس کا اختیاری فعل ہے اس پر بھی وہ مجبور نہیں ہے۔

غلط فہمی

ارتداد کی سزائے قتل کو اکراہ میں داخل کرنے والوں کو دراصل یہ غلط فہمی ہو رہی ہے کہ وہ اس سزا کو اسلام پر مجبور کرنے کیلئے سمجھ رہے ہیں، اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں مرتد پر یہ سزا جاری کر دی جاتی ہے تو اس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سزا اسلام کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے دی جا رہی ہے، حالانکہ یہ سزا تو اس پر ترک اسلام کے نتیجہ کے طور پر مرتب ہو رہی ہے اور اس کے جرم ارتداد کا یہ خمیازہ اس کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

البتہ اس نتیجہ کے ترتب سے بچنے کا اس کیلئے ایک راستہ قبول اسلام کھلا ہوا ہے، ارتداد کے بعد مرتد کو اسلام کی مہلت اس کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کیلئے نہیں دی جاتی بلکہ خیر خواہانہ مشورہ کے طور پر اس کو سزائے ارتداد سے بچنے کا ایک راستہ دکھلایا جاتا ہے۔

غرضیکہ ترک اسلام کے بعد دوبارہ اسلام کا قبول کر لینا جرم ارتداد کی سزا سے بچنے کی ایک تدبیر ہے اور اس نتیجہ کے ترتب سے مانع ہے جو ترک اسلام کے بعد اس پر مرتب ہونے والا ہے اور جس کا یہ جرم ارتداد سے ہی مستحق ہو چکا ہے، لیکن جب وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر نہیں کرتا اور کفر پر اصرار کرتا ہے جرم ارتداد کی سزا اس پر ترتب ہو جاتا ہے اور ارتداد کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اب اس سے یہ سمجھ لینا کہ تلوار کے زور سے اس کو قبول اسلام پر مجبور کیا جاتا ہے کس قدر غلط فہمی ہے۔ زیادہ سے

زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترک اسلام قابل سزا جرم ہے اور وہ اپنے پیروؤں کو جبرا اسلام پر قائم رکھتا اور کسی مسلمان کو ترک اسلام کی اجازت نہیں دیتا، اور ظاہر ہے کہ اپنے پیروؤں پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنا اور ان کو جبرا کوئی بات منوانا جبرا اسلام میں داخل کرنا نہیں ہے۔ اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اپنے ماننے والوں پر جبری احکامات کا نفاذ کسی طرح بھی قابل اعتراض نہیں ہوسکتا جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔ اگر جرم ارتداد پر مہلت دئے بغیر ہی اس کی سزا کو جاری کرایا جایا کرتا یا مرتد کا دوبارہ قبول اسلام نامقبول اور غیر معتبر قرار پاتا تب بھی اس پر کسی اعتراض کا موقع نہیں تھا، کیونکہ جرائم کے ارتکاب اور ثبوت عندالحاکم کے بعد بھی توبہ کر لینے سے دنیوی حدود ساقط نہیں ہوا کرتیں، یہ سہولت صرف حد ارتداد کے نفاذ میں ہی دی گئی ہے کہ جرم ارتداد کے ثبوت عندالحاکم کے بعد بھی توبہ کر لینے اور رجوع الی الاسلام کی وجہ سے اس کی دنیوی سزا کو ساقط کردیا جاتا ہے۔

اگر دین میں جبر و اکراہ کی نفی کا یہ مفہوم صحیح ہو کہ دین میں کسی بات پر بھی جبر نہیں کیا جاتا تو پھر کیا قتل اور ڈکیتی وغیرہ کی ان سزاؤں کو بھی اس مفہوم کے خلاف کہا جائے گا جن کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہورہا ہے، حالانکہ ارتداد کی سزا کی نسبت ان سزاؤں کا اس مفہوم کے خلاف ہونا زیادہ واضح ہے، اس لئے کہ ان سزاؤں سے خود کو بچانے کا کوئی اختیار مستحق سزا کو نہیں دیا جاتا اور سزا کے برداشت کرنے پر اس وقت وہ مجبور محض ہوتا ہے، بخلاف سزائے ارتداد کے کہ اس کا مستحق اگر چاہے تو اس کی سزا سے خود کو بچالینے کا اختیار اس کو دیا جاتا ہے جیسا مفصل گزر چکا ہے۔

اب قتل وصلب وغیرہ کی جن سزاؤں کو بحالت مجبوری برداشت کرنا پڑتا ہے اور ثبوت جرم کے بعد ان سزاؤں سے بچنے کا کوئی اختیار مجرم کو نہیں دیا جاتا ان کو تو لا اکراہ فی الدین اور دین میں جبر و اکراہ کی نفی کے خلاف نہ سمجھنا اور ارتداد کی سزا کو اس کے خلاف سمجھنا عجیب قسم کا تضاد اور تمام امت مسلمہ کے خلاف قرآن فہمی کا نرالا طریقہ ہے۔

جرم ارتداد پر سزائے قتل کی وجہ

اب رہا یہ سوال کہ ترک اسلام اور ارتداد پر سزائے قتل کو تجویز ہی کیوں کیا گیا ہے؟ سو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ترک اسلام میں پوری ملت اسلامیہ کا ہتک حرمت اور اس کی بے عزتی ہے، اگر کوئی شخص سرے سے اسلام کو قبول ہی نہ کرے تو اس پر کچھ جبر نہیں اور اس میں اسلام کی کچھ توہین نہیں ہے، لیکن

اسلام کو برضا و رغبت قبول کر لینے کے بعد اس کے ترک کرنے اور ارتداد سے اسلام کی سخت توہین ہوتی ہے، سزائے ارتداد سے مقصد شریعت یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ ارتداد کے جراثیم سے متاثر نہ ہو اور کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کیلئے اسلام کا ترک فتنہ اور آزمائش کا سبب نہ بن جائے۔ شریعت اسلامیہ کی نگاہ میں ارتداد ایک مجسم فتنہ ہے، مرتد کی حالت کو دیکھ کر اور اس کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر دوسرے لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے اور ملت اسلامیہ کی حقانیت میں تذبذب اور تردد واقع ہونے کا سخت خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور اس طرح ملت میں فساد عظیم اور فتنہ کے برپا ہونے کا قوی امکان پیدا ہو کر ملت کے شیرازہ بکھرنے کا پورا سامان جمع ہو جاتا ہے، اس فتنہ کے سدباب اور ملت اسلامیہ کو انتشار سے بچانے کیلئے ترک اسلام اور ارتداد کو قابل سزا جرم قرار دے کر اس پر سزائے قتل کو تجویز کیا گیا ہے۔ جب شریعت اسلامیہ نے ایک جان کے قتل اور ایک عورت کی ہتک عزت (زنا) کی سزا قصاص اور رجم کی صورت میں تجویز کی ہے تو پوری ملت اسلامیہ کی بے حرمتی اور ہتک عزت کو کیسے برداشت کیا جا سکتا تھا، اگر اس پر قتل کی سزا کو تجویز کر دیا گیا تو اشکال کیوں کیا جاتا ہے؟

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر ملت کو حفاظت خود اختیاری کے حق کی رو سے ایسے اقدامات کا حق پہنچتا ہے جن کے ذریعہ پیدا شدہ فتنوں کے استیصال کے ساتھ متوقع خطرات اور انتشار سے ملت کی حفاظت کی جا سکے، اس لئے ایسے حفاظتی قوانین بنانے اور اقدامات کرنے سے ملت اسلامیہ کو بھی نہ تو محروم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا یہ حق اس سے چھینا جا سکتا ہے۔

جس طرح دنیوی حکومتوں کیلئے یہ حق تسلیم کیا جاتا ہے کہ مملکت کی وضع کردہ بنیادی پالیسی کے خلاف کسی باشندے کے اقدام کرنے پر وہ سزائے موت تجویز کر دے، کیا سرمایہ دار ممالک اپنے کسی باشندے کو مملکت کی بنیادی پالیسی کے خلاف اقدام کرنے اور اسے کمیونسٹ بن جانے یا کمیونسٹ نظریات کی تبلیغ کرنے کی اجازت دیتے ہیں؟ اور اسی طرح کمیونسٹ ممالک اپنے کسی شہری کو غیر کمیونسٹ اقدامات کرنے کی کھلی چھٹی دیتے ہیں؟ ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے، کیونکہ اس طرح ان کا نظام حکومت اور سلطنت کی بنیادی پالیسی تباہ ہو کر رہ جائے گی جس کو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح مملکت اسلامیہ کا بھی یہ حق تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ وہ اپنی رعایا (مسلمانوں) کیلئے

ایسا قانون بنادے جس کی رو سے ملت اسلامیہ کی وضع کردہ بنیادی پالیسی کے خلاف اقدام کرنا ممنوع قرار پائے اور ملت اسلامیہ کی حدود سے نکلنا اور اسلام کا ترک کرنا ناممکن ہو جائے، اور اگر کوئی مسلمان ملت اسلامیہ سے بغاوت اور سرکشی اختیار کر کے اسلامی سرحد کو عبور کر جائے اور ارتداد کے جرم کا ارتکاب کرے تو اس پر سخت سے سخت سزا قتل کو تجویز کردے۔ اس سزا کو تجویز کر کے شریعت اسلامیہ نے درحقیقت مملکت اسلامیہ اور ملت اسلامیہ کی بنیادی پالیسی کی حفاظت کا حق ادا کیا ہے اور اپنے حفاظت خود اختیاری کے حق کو استعمال کیا ہے۔

اب جو یہ کہا جا رہا ہے کہ بظاہر دنیاوی نقطۂ نگاہ سے ایک مہذب ملک میں اس قسم کی سزا کا کوئی عقلی جواز نظر نہیں آتا (نوائے وقت حوالہ بالا) یا تو یہ کوتاہ نظری اور غلط نظری کا نتیجہ ہے یا پھر ملحدانہ پروپیگنڈے اور یورپین غلط نظریات سے مرعوبیت کا اثر ہے، ورنہ ملک وملت کو فتنوں سے بچانے اور انتشار سے محفوظ رکھنے کیلئے اس قسم کی سزا کا کوئی عقلی جواز کیوں نظر نہیں آتا۔

خلاصہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سزائے ارتداد کسی غیر مسلم کو بجبر واکراہ اسلام میں داخل کرنے کیلئے مقرر نہیں کی گئی، ورنہ غیر مسلم رعایا کو اسلامی سلطنت میں رہنے کی اجازت ہی نہ ہوتی اور کافر اصلی سے جزیہ قبول نہ کیا جاتا، بلکہ یہ سزا مسلمانوں کو اسلام پر قائم رکھنے اور ملت اسلامیہ کو انتشار سے محفوظ رکھنے کیلئے بطور حفاظتی اقدامات کے تجویز کی گئی ہے۔

اور جب آیت زیر بحث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ کسی کو بجبر واکراہ اسلام میں داخل نہیں کیا جاتا تو پھر آیت مذکورہ اور سزائے ارتداد میں تعارض ظاہر کر کے اس آیت کو سزائے ارتداد کی نفی پر دلیل بنانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ جس اکراہ کی اس آیت میں نفی کی گئی ہے سزائے ارتداد سے اس اکراہ کا ہرگز اثبات نہیں ہوتا، یہ محض مغالطہ اور فریب ہے، اس لئے یہ کہنا تو صحیح ہے کہ ہدایت کی راہ گمراہی سے متمیز ہوسکتی ہے، اس لئے بجبر داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے (حوالہ بالا) لیکن سزائے ارتداد کو بجبر اسلام میں داخل کرنے کیلئے سمجھنا ہی دراصل مضمون نگار کی غلط فہمی ہے اور اس سزا سے یہ نتیجہ نکالنا ہی غلط ہے کہ مرتد کو جبر واکراہ سے اسلام میں داخل کیا جا رہا ہے جیسا کہ تفصیل بالا سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہے۔

(جاری ہے)

ضبط وترتیب: حافظ محمد نعمان حامد

مکالمہ بین المذاہب اوراس کا تصور (آخری قسط)

خطاب حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم

بتاریخ ۸؍دسمبر ۲۰۰۷ء...... بمقام آواری ٹاورز، کراچی

فتح ہمیشہ برہان کی ہوتی ہے

ہم نے پاکستان میں الحمدللہ دینی مدارس کے تحفظ کی جنگ مکالمے اورڈائیلاگ کے ذریعے ہی لڑی ہے۔اگر چہ برصغیر میں مدارس کو قیام کے پہلے دن سے لے کر آج کے دن تک جنگ لڑنی پڑ رہی ہے لیکن نائن الیون کے بعد یہ جنگ علاقائی نہیں رہی ، یہ ملکی نہیں رہی ، یہ انٹرنیشنل بن گئی ،اور الحمدللہ اس محاذ پر،اس معرکے پر آپ کے مدارس کی قیادت نے اپنا مقدمہ جس کامیابی کے ساتھ لڑا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارا مکالمہ اور بات چیت بڑے برہان ودلیل کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں نے ایک دفعہ ایک عالم سے کہا کہ حضرت بڑے بحرانوں سے گزر رہے ہیں،ایک بحران ختم نہیں ہوتا دوسرا آ جاتا ہے۔پاکستان کے مدارس میں غیرملکی طلباء کی تعلیم پر پابندی اور رجسٹریشن آرڈیننس سے ابھی جان نہیں چھوٹی تھی کہ نیا آرڈیننس آ گیا،تو مجھ سے کہنے لگے کہ مولوی حنیف!الحمدللہ وفاق المدارس کی جو تمہاری قیادت ہے وہ بحران کا مقابلہ برہان سے کر رہی ہے،اورتاریخ یہ بتاتی ہے کہ فتح ہمیشہ برہان کی ہوتی ہے،بحران کی نہیں ہوتی۔

دنیا میں امن قائم کرنے میں مذہب کا کردار سب سے اہم ہے

عجیب بات ہے کہ میں چند دن پہلے کچھ رپورٹیں پڑھ رہا تھا کہ ایک انٹرنیشنل ڈائیلاگ پر ہونے والی ایک کانفرنس کی روئیداد میری نظر سے گزری،میں حیران ہو رہا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ دنیا میں مذہبی ہم آہنگی اور امن کیلئے سب سے بڑا کردار مذہب ادا کرسکتا ہے۔یہ وہ قوتیں تھیں جو کہتی تھیں کہ نہیں ،مذہب کو درمیان سے نکال دو،آج اقوام متحدہ بھی مان رہا ہے کہ مذہب کا کردار سب سے اہم ہے۔اور یہ کہا جاتا ہے کہ جناب پوری دنیا میں جو جنگ یا لڑائی ہے مذہبی رجحانات رکھنے والے نوجوانوں کی وجہ سے ہے،نہیں نہیں،یہ اپنی بالادستی ،اپنے مفادات اوراپنی ہمہ گیروسعت کے خیالات رکھنے

والوں کی وجہ سے ہے، یہ مذہب کی وجہ سے نہیں ہے، مذہب تو امن کا کردار ادا کر رہا ہے جنگ کا نہیں کر رہا۔ یہ دراصل اپنے عزائم کو وسعت دینے، دنیا کے ملکوں اور وسائل پر قبضہ کرنے کی خاطر معاشی، سیاسی، مفاداتی جنگ ہے، نام اس کو مذہب کا دے دیا گیا ہے، میں اس پر شرح صدر کے ساتھ حقائق اور دلائل دے سکتا ہوں۔ مذہب تو امن کی تعلیم دیتا ہے، مذہبی تعلیمات فساد کی نہیں ہوتیں بلکہ امن کو لانے والی ہیں، یہ تمام جنگ سیاسی مفادات کی جنگ ہے، معاشی مفادات کی بناء پر ہے، عنوان اس کو مذہب کا دے دیا گیا ہے، مذہب تو پہلے بھی تھا، نائن الیون سے پہلے مذہب نہیں تھا؟ مسلمانوں کے ساتھ تاریخی ظلم ہوا ہے جس کا اب تک عالمی برادری نے کوئی حل نہیں کیا، اور جس کا یہ ردعمل ہے، ردعمل پر بات ہوتی ہے عمل پر نہیں۔ اور یہ بات میں نے امریکہ اور باہر کے ملکوں میں بھی کی ہے، مسلمانوں کے ساتھ تاریخی طور پر ظلم ہوا ہے فلسطین اور کشمیر میں، اور آج تک عالمی برادری اس کا حل نہیں نکال سکی، لہٰذا یہ سیاسی مسائل ہیں، مذہبی نہیں ہیں، بہانہ مذہب کا لیا جاتا ہے، مذہب تو قیام امن میں کردار ادا کرتا ہے۔ لہٰذا ہمیں مذہبی لوگوں کو مل کر بیٹھنے کی ضرورت ہے، اور ہمیں بیٹھ کر یک زبان کہنا چاہئے کہ دنیا پر جنگ سیاسی قوتوں نے مسلط کی ہے مذہب نے نہیں، مذہب کو انہوں نے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا ہے، یہ ریاستی جبر او رتشدد، یہ مذہب کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ سیاسی عزائم کی وجہ سے ہے۔ اور یہ باتیں اگر ہم ایک پلیٹ فارم پر بیٹھیں گے نہیں تو کیسے کریں گے، یہ اسی صورت میں ہوسکتی ہیں جب ہم مکالمہ کریں گے، گفت وشنید کریں گے، ڈائیلاگ کریں گے، بات چیت کریں گے۔

بات طویل ہوگئی مختصر کرتے ہوئے اور سمیٹتے ہوئے عرض کرتا ہوں۔ میں نے آپ کو عرض کیا کہ مذہبی ہم آہنگی کا صحیح مطلب میرے نزدیک کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ میں غلط سمجھا ہوں، لیکن جو میں اپنے ناقص علم سے سمجھا ہوں، جو غلط ہے وہ بھی میں نے عرض کردیا اور جو صحیح ہے وہ بھی میں نے عرض کردیا۔ اسلام کا صحیح تعارف کرانے کیلئے، تنازعات اور ممکنہ خطرات کو روکنے کیلئے اور تنازعات کو حل کرنے کیلئے جہاں کہیں کوئی بھی اقلیت خواہ مسلم اقلیت ہو یا غیر مسلم اقلیت ہو، کسی بھی ریاستی جبر کا، تشدد کا، یا کسی بھی محرومی کا شکار ہے اس کیلئے ہمیں مل جل کر کوششیں کرنی چاہئیں، اس لئے کہ اگر ہم یہاں اکثریت میں ہیں تو ان کے ملکوں میں اقلیت میں ہیں، اگر یہاں ہم اقلیتوں کو حق نہیں دیں گے تو وہاں ہم کیسے مانگیں گے کہ ہم یہاں اقلیت میں ہیں ہمیں حق دو؟ باقی یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ دنیا کا کوئی ملک آپ

مجھے نہیں دکھا سکتے جہاں اقلیتوں کے قانون اور ضابطے میں فرق نہ ہو، ہر ملک میں فرق ہے اور ضابطے مختلف ہوتے ہیں۔ جمہوریت اسی کو کہتے ہیں کہ جو جمہور چاہیں گے اس کے مطابق قانون سازی کریں گے، اقلیت اور اکثریت کیلئے ضابطے الگ الگ ہیں، یہ ہر ملک میں ہوتا ہے۔

بین المذاہب مکالمے کا مقصد اور طریقہ کار

تو صحیح رخ پر رکھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ یہ مکالمہ وہ لوگ کریں جو اہل علم اور اہل دانش ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت اور دین کی صحیح فہم عطا کی ہے، مالی مفاد کی بناء پر غلط آواز میں اپنی آواز نہ ملا دیں۔ یہ مکالمہ حکمرانوں اور سیاستدانوں سے نہیں دینداروں سے اور علماء سے ہونا چاہئے، اور اس مکالمے سے پہلے ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم کرنا چاہئے، اسلام دیگر مذاہب کی توہین سے روکتا ہے، ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔ اور میں نے جو آیتیں پڑھیں اس میں اللہ فرماتے ہیں لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم۔ اس ڈائیلاگ کا مقصد ہونا چاہئے "بقائے باہمی" یعنی "جیو اور جینے دو"۔ دنیا کو امن دینا، دنیا کو انصاف دینا اور انسان کو احترام اور وقار دینا، تنازعات کو حل کرنا، ممکنہ خطرات کو روکنا اور معاشی خوشحالی لانا۔ تعلیم، صحت، روزگار یہ ہر ایک کا حق ہے، آج دنیا میں سائنس کی تمام تر ترقی کے باوجود ایسے ملک دنیا میں موجود ہیں جہاں کے لوگ خط غربت سے بھی نیچے زندگی گزار رہے ہیں، غربت کی لکیر سے بھی نیچے زندگی گزار رہے ہیں، لہٰذا دنیا کے وسائل اور اسباب کا صحیح استعمال ہو، اس کیلئے ضروری ہوگا کہ ہر ایک کے وجود کو تسلیم کیا جائے، ہر ایک کی حقیقت کو تسلیم کیا جائے۔

تہذیب کو مذہب سے جدا نہیں کیا جا سکتا

بہت سے لوگ مذہب اور تہذیب کو الگ الگ سمجھتے ہیں، میرے نزدیک مذہب اور تہذیب ایک ہی چیز ہے، ہر مذہب اپنی ایک تہذیب بھی رکھتا ہے، کلچر بھی رکھتا ہے، اپنی ثقافت بھی رکھتا ہے۔ اور ان کا یہ کہنا کہ اپنے مذہب پر رہو مگر کلچر ہمارا اپنالو، یہ نہیں ہوسکتا، اس طرح امن نہیں ہوسکتا، ہر ایک کی تہذیبی اقدار کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اور آج مغربی دنیا کو یہ بات سمجھانے کی ضرورت ہے کہ مغربی دنیا اس بات کو مانے کہ اگر مسلمانوں سے ڈائیلاگ کرنا ہے، مکالمہ کرنا ہے، بات چیت کرنی ہے تو ان کے

جداگانہ تشخص کو، پہچان کو، ان کے کلچر کو، ان کی ثقافت کو ماننا ہوگا، یہ نہیں ہوگا کہ ہمارا کلچر اپنالو، ہماری تہذیب کو اپنالو، جہاں تم اپنی تہذیب کو نہیں چھوڑ سکتے وہاں ہم اپنے مذہب اور تہذیب کو بھی نہیں چھوڑ سکتے۔تہذیب اور مذہب دونوں کا کردار ساتھ ساتھ ہے، ہر مذہب کی اپنی تہذیبی اور ثقافتی اقدار ہوتی ہیں، اس کا کلچر ہوتا ہے، جب تک اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا اس وقت تک ڈائیلاگ اور پر امن بقائے باہمی نہیں ہوسکتا۔

دنیا میں زیادہ بات چیت کی جو ضرورت پڑتی ہے، پڑنی چاہئے یا پڑے گی وہ زیادہ مسلمانوں میں یا عیسائیوں میں ہوسکتی ہے، یہودی کوئی دعوتی مذہب نہیں ہے، کوئی دعوتی دین نہیں ہے، وہ نسبی ہے اور ہندو بھی نسبی مذہب ہے، یہ دو دعوتی ہیں۔عجیب بات ہے کہ یہودی جو کم تعداد میں ہیں اور نسبی ہیں جن کے مذہب میں دوسرا آ نہیں سکتا بڑی مشکل سے کوئی آئے تو آئے، وہ چاہتے ہیں کہ اس دنیا کی عالمی سیاست میں ہمیں برابر کا مقام ملے۔ہاں عیسائی اور اسلام یہ دونوں دعوتی مذہب ہیں، ان کے درمیان مکالمے کا فروغ دینے کی زیادہ ضرورت ہے، زیادہ اہمیت ہے، بات چیت کی ضرورت ہے اور ان کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی چیز رویوں کی تبدیلی ہے، رویے انسان کو قریب بھی لاتے ہیں اور انسان کو دور بھی لے جاتے ہیں، وہ دوستی کی بنیادیں بھی کھڑی کردیتے ہیں اور نفرت کی دیواریں بھی کھڑی کردیتے ہیں، رویے بدلنے کی ضرورت ہے، انہیں رویوں میں سے بڑی چیز دوسروں کا احترام ہے۔

ایک عیسائی کہنے لگا کہ پاکستان اور دوسرے ملکوں میں ضرورت ہے کہ شعور پیدا کیا جائے، تو میں نے کہا کہ ہاں! ضرور ہونا چاہئے لیکن اس سے زیادہ ضرورت ان ملکوں میں شعور پیدا کرنے کی ہے جن کو دنیا پڑھا لکھا کہتی ہے، ترقی یافتہ کہتی ہے، یعنی یورپ اور مغرب، وہاں ضرورت ہے کہ شعور پیدا کیا جائے کہ مذہبی ہم آہنگی اور مذہبی احترام کی اس وقت دنیا میں کتنی بڑی ضرورت ہے اور تمہارے ایک غیر ذمہ دارانہ رویے اور اقدام سے کتنا نقصان اور قتل ہوجاتا ہے۔تو اس نے کہا کہ کیسے؟ میں نے کہا کہ جناب! دیکھئے کہ جو بھی نبی کریم، رحمت دو عالم ﷺ کی نعوذباللہ توہین کرتا ہے مغربی دنیا مراعات کی بارش کردیتی ہے۔سلمان رشدی بدنام زمانہ کو سرکاری اعزازات، القابات، ان کو مختلف ملکوں کی نیشنلٹی، ان کو آسان ویزے، تحفظ فراہم کئے جاتے ہیں۔سلمان رشدی کے بارے میں آپ نے پڑھا کہ اس کو

برطانیہ نے سر کا خطاب دیا ہے، آپ بتایئے کہ ایک مسلمان کتنا بڑا ہی گنہگار کیوں نہ ہو حضور اکرم ﷺ کی محبت اور عزت و ناموس پر وہ جان دینا سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہے۔ آپ مسلم دنیا کو کیا میسج (پیغام) دے رہے ہیں؟ جب آپ ایک گستاخ رسول کو اعزاز سے نوازیں گے، انعامات سے نوازیں گے، اس کیلئے مراعات کے دروازے کھولیں گے تو آپ بتایئے کہ اس سے مسلم دنیا کے اندر کیا نفرت نہیں پیدا ہوگی؟ سرکاری سطح پر کیا آج تک کسی مسلم ملک نے کسی بھی مذہب کی دشمنی کرنے والے کو کوئی اعزاز دیا ہے؟ آپ مجھے ایک مثال دے دیں۔ ان چیزوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے، میں آج ہی سوچ رہا تھا کہ کیا کبھی یورپ کے ملکوں نے کسی مسلمان ملک کو ان کا مطلوب ملزم پیش کیا ہے، ہم اگر کہیں کہ یورپ کے غریب ترین ملک میں ہمارا دشمن بیٹھا ہے اور ہم نے اس پر حملہ کرنا ہے، آپ ہمیں اس کی اجازت دیں تو کیا وہ اجازت دیں گے؟ ہمارا خفیہ معلومات کے اندر تعاون کرو۔ یہ تو ہم بڑے فراخ دل ہیں کہ آؤ جناب ہمارے تو ائیر پورٹ حاضر ہیں، ہماری فوج حاضر، ہماری فضاء حاضر، ہمارے ہتھیار حاضر، کرو مسلمان ملک پر حملہ، سب کچھ ہم قربان کر دیں گے، آج سب کچھ دے دیں گے، ایک نہیں سینکڑوں پکڑ کر ان کے حوالے کر دیں گے۔ آج اگر مسلمان دنیا کہے کہ سلمان رشدی ہمارے حوالے کرو، ہم اس پر مقدمہ چلانا چاہتے ہیں تو کوئی پیش کرے گا؟ یہ تمام چیزیں سوچنے کی ہیں اور ڈائیلاگ کرنے کی ہیں۔ انسانیت کے حوالے سے عالمی امن، سیکورٹی، خوشحالی، ان تمام چیزوں کو بنیاد بنا کر مکالمہ اور ڈائیلاگ ہونا چاہئے، بات چیت ہونی چاہئے، ہم بات چیت کریں گے مگر درست لوگوں کے ذریعے ہو، درست ایجنڈے کے تحت ہو، مذہب کو کوئی سیاست کے طور پر استعمال نہ کرے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین۔

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج تحقیقی جائزہ (قسط ۷)

احکام القرآن کی انواع

قرآن کے احکام کو چند انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) احکام اعتقادیہ: وہ احکام جن کا مکلّف کو اعتقاد رکھنا ضروری ہے جن میں اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتابیں، رسول اور آخرت کا دن شامل ہے۔

(۲) احکام خلقیہ: وہ احکام جن کے بارے مکلّف پر ضروری ہے کہ ان فضائل سے خود کو آراستہ کرے اور رذائل سے اپنا تخلیہ کرے۔

(۳) احکام عملیہ: وہ احکام جن کا تعلق اقوال، افعال، معاملات اور تصرفات سے ہے جو مکلّف سے صادر ہوتے ہیں اور یہی قسم فقہ القرآن ہے اور یہی اصول فقہ کے علم میں مقصود ہوتی ہے، اس کی دو قسمیں ہیں۔

(ا) نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، منت، قسم اور دوسری عبادات کے احکام، جن سے مقصود اللہ جل شانہ سے تعلق مستحکم کرنا ہوتا ہے۔

(ب) معاملات یعنی عقود، تصرفات، سزاؤں اور جرائم وغیرہ کے احکامات، جن کا مقصد لوگوں کے آپس کے انفرادی اور اجتماعی تعلقات کو منظم رکھنا ہے اور ان احکام کی فروعات درج ذیل ہیں۔

(۱) احوال شخصیہ کے احکام: جن کا تعلق ابتداء آفرینش سے خاندان سے ہے تاکہ میاں بیوی اور رشتہ داروں کے تعلقات باہمی استوار رہیں۔

(۲) احکام مدنیہ: جن کا تعلق لوگوں کے معاملات اور باہمی تبادلے سے ہے مثلاً فروختگی، کرایہ داری، قرض کا وثیقہ، قرض کی ضمانت، کاروبار میں اشتراک، ادھار معاملہ، وفاء عہد وغیرہ اور اس سے مقصود لوگوں کے مالی تعلقات کو منظم رکھنا اور صاحب حق کے حقوق کی حفاظت ہے۔

(۳) احکام جنائیہ: جن کا تعلق مکلّف سے صادر ہونے والے جرائم اور ان سزاؤں سے ہے جن کا مجرم مستحق ہوتا ہے اور اس سے مقصود لوگوں کی جان، مال، عزت اور حقوق کی حفاظت ہے اور جس پر جنایت ہوئی ہے اس کے مجرم اور باقی لوگوں کے ساتھ تعلق کی تحدید مقصود ہوتی ہے۔

(۴) مرافعات اور جنایات مدنیہ یا جنائیہ کے احکام: ان کا تعلق فیصلہ، شہادت اور قسم وغیرہ سے ہوتا ہے اور ان کا مقصد لوگوں میں عدل قائم رکھنا ہے۔

(۵) احکام دستوریہ: جن کا تعلق نظام حکومت اور اس کے اصول سے ہو اور اس کا مقصد حاکم اور محکوم کے تعلق کی حد بندی اور افراد و معاشرے کے حقوق کی پختگی ہوتی ہے۔

(۶) احکام دولیہ: اس کی دو قسمیں ہیں (ا) عام قانون دولی، جن کا تعلق مملکت اسلامیہ کا دوسری مملکتوں کے ساتھ معاملہ سے ہو۔ (ب) خاص قانون دولی، جن کا تعلق مملکت اسلامیہ میں رہنے والے غیر مسلموں سے ہو۔ ان کا مقصد صلح اور لڑائی کے اعتبار سے مملکت اسلامیہ کا دوسری مملکتوں کے ساتھ اور دولت اسلامیہ میں مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلق کی تحدید کرنا ہے۔

(۷) احکام اقتصادیہ و مالیہ: جن کا تعلق افراد کے مالی حقوق، التزامات مالیہ، حقوق مملکت اور اس کے واجبات اور خزانہ کی جگہوں کو منظم کرنا اور اس کے اخراجات سے ہو، ان سے مقصود فقراء و اغنیاء اور مملکت و افراد کے مابین مالی تعلقات کا استوار کرنا ہے اور یہ دولت خاصہ اور عامہ دونوں کو شامل ہے جیسے غنیمتیں، نفل کے طور پر دیا جانے والا مال، عشر، خراج، کانوں سے نکلنے والا مال اور اجتماعی اموال جیسے زکوۃ، صدقات، منتیں، قرض، اور خاندانی اموال جیسے نفقات، وراثت، وصیتیں، اور انفرادی اموال جیسے تجارت، اجارہ اور شرکتوں کے منافع، اور غلہ و بڑھوتری وغیرہ کے اسباب، اور عقوبات مالیہ جیسے کفارات، دیتیں اور فدیہ۔

قرآن کریم میں ان احکام کے اکثر جزئیات کو یا تفصیلی بیان کیا ہوگا جیسے عبادات، شخصی احوال اور احکام وراثت، اس کی حکمت یہ ہے کہ یہ چیزیں معنی تعبد کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں، عقل کو ان کی حکمت معلوم کرنے تک رسائی نہیں ہے، اس لئے ان میں نہ تبدیلی ہو سکتی ہے اور نہ یہ لوگوں کے احوال پر موقوف ہیں اور یا ان احکام کا بیان عام ہوگا جس میں عام قواعد اور اصولی مبادی کا بعض جزئیات کے ساتھ تذکرہ ہوگا، اس کی حکمت یہ ہے کہ تفاصیل علماء امت پر چھوڑ دی گئیں تا کہ مصالح،

حاجات ،ضروریات اور ہر زمانہ وشہر کے احوال کی رعایت کر کے مناسب چیز مقرر کریں،اس سے شریعت اسلامیہ کی ہمیشگی اور ہر زمانہ اور ہر جگہ کیلئے ہونا متحقق ہو جائے گا۔

اس کی مثالیں یہ ہیں کہ احکام مدنیہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک عام قاعدہ وضع فرمایا کہ یاایھا الذین امنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ آپس کی رضامندی سے تجارت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ربا کو حرام ،بیع کو حلال اور رہن کو مباح قرار دیا اور احکام کی تفصیل مجتہدین کیلئے چھوڑ دی کہ حسب مصالح جزئیات کا حکم مقرر کریں۔اسی طرح احکام دستوریہ میں اللہ تعالیٰ نے حکم اسلامی کا بنیادی قاعدہ وضع فرمایا کہ وشاورھم فی الامر آپ معاملہ میں ان سے مشورہ کیجئے۔ وامرھم شوریٰ بینھم اور یہ کہ ان کا معاملہ آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے۔

احکام دولیہ میں اللہ عزوجل نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلق کی اساس کو بیان فرمایا لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیاکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین .انماینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاؤلئک ھم الظالمون، اللہ تم کو ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین پر نہیں لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا یہ کہ تم ان سے بھلائی اور انصاف کا سلوک کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو چاہتا ہے، اللہ تم کو ان لوگوں سے منع کرتا ہے جو تم سے دین پر لڑے اور تمہیں گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں شریک ہوئے یہ کہ تم ان سے دوستی کرو اور جو کوئی ان سے دوستی کرے وہی لوگ گنہگار ہیں۔

اور جنگ وصلح میں اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ وضع فرمایا وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولاتعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین اور اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے قتال کرو جنہوں نے تم سے قتال کیا اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ان سب احکام کی جائے رجوع قرآن کریم کی ایک آیت ہے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون

واوفوا بعہداللہ اذا عاہدتم ولاتنقضوا الایمان بعدتوکیدھاوقدجعلتم اللہ علیکم کفیلاان اللہ یعلم ماتفعلون اللہ تعالیٰ انصاف اور بھلائی کرنے کا حکم کرتا ہے اور قرابت والوں کو دینے اور بے حیائی نامعقول کام اور سرکشی سے منع کرتا ہے، تم کو سمجھاتا ہے تاکہ تم یادرکھواوراللہ کا عہدپوراکرو جب تم آپس میں عہدکرواورقسموں کوپکاکرنے کے بعد نہ توڑواورتم نے اللہ کواپناضامن کیا، اللہ تعالیٰ جوتم کرتے ہو جانتا ہے۔

ان تمام امور کی تفصیلات امانتدار، مخلص علماء امت جن میں عام شرف اور سرداری کی اہلیت ہے پر چھوڑی گئی ہیں جیسا کہ اسلام کا دستور مقرر ہے۔

قرآن کریم کی احکام پر دلالت کی اقسام

قرآن کریم اگرچہ قطعی الثبوت ہے کیونکہ یہ ہم تک بطریق تواتر پہنچا ہے اور جو چیز بالتواتر منقول ہو اس کی صحت یقینی ہوتی ہے لیکن نصوص قرآنی کی احکام پر دلالت کبھی قطعی اور کبھی ظنی ہوتی ہے۔

قطعی الدلالت نص

قطعی الدلالت نص وہ لفظ قرآنی ہے جس کا معنی متعین ہو اور اس میں صرف ایک معنی کا احتمال ہو جیسے وراثت، حدود اور کفارات کی آیات مثلاً یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثاماترک وان کانت واحدۃ فلھاالنصف الخ۔ الزانیۃ والزانی فاجلدواکل واحدمنھمامائۃ جلدۃ الخ۔والذین یظاھرون من نساء ھم ثم یعودون لماقالوافتحریررقبۃ من قبل ان یتماساالخ۔

ان آیات میں لفظ ثلثان، نصف، مائۃ اور رقبۃ اپنے مدلولات میں قطعی ہیں اور ان میں دوسرے معانی کا احتمال نہیں ہے۔

ظنی الدلالت نص

ظنی الدلالت نص وہ لفظ قرآنی ہے جس میں ایک معنی سے زیادہ کا احتمال ہو اور کوئی دوسری تاویل ہو سکے جیسے لفظ مشترک مثلاً ارشادخداوندی والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء میں لفظ قروء عربی زبان میں دومعنوں طہر اور حیض میں مشترک ہے تو اس میں تین طہر اور تین حیض دونوں معنوں کا احتمال ہے ان میں سے ایک معنی پر دلالت ظنی ہے قطعی نہیں ہے۔

یادرفتگاں

جناب محمد اکبر شاہ بخاری جام پور

حضرت مولانا عطا محمد شاہ جمالی رحمہ اللہ تعالیٰ

جامع المنقولات والمعقولات عالم ربانی حضرت مولانا عطا محمد شاہ جمالی رحمۃ اللہ علیہ ایک جید متبحر عالم دین، عارف کامل اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔

ان کے والد گرامی کا اسم گرامی حضرت خواجہ نورالدین تھا جن کے چار صاحبزادے تھے، حضرت مولانا فیض محمد شاہ جمالی، حضرت خواجہ گل محمد شاہ جمالی، خواجہ فتح محمد شاہ جمالی اور حضرت مولانا خواجہ عطا محمد شاہ جمالی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ حضرت مولانا عطا محمد شاہ جمالی حضرت خواجہ نورالدین کی اولاد میں سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں ہوئی، بچپن ہی میں والد صاحب کے سایہ سے آپ محروم ہوگئے، مگر آپ کے تعلیمی شوق اور سیرت وصورت کو دیکھتے ہوئے آپ کے برادر کبیر نے آپ کو دینی تعلیم دلوائی۔ قرآن پاک اور ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کو مرکز علوم دارالعلوم دیوبند میں داخل کروا دیا اور تمام ضروریات کی کفالت خود فرمائی۔ ساتھ ہی ان کی دلداری کیلئے حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب فاضل دیوبند شادن لنڈ والے کو دارالعلوم دیوبند میں ساتھ رہنے کیلئے ان کے ہمراہ بھیجا۔

حضرت مولانا عطا محمد شاہ جمالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر درس نظامی کی مکمل تعلیم حاصل کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا اعزاز علی امروہی، حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی اور دیگر اکابر دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ سے شرف تلمذ حاصل کیا، ساتھ ہی قراءت سبعہ کی سند بھی حاصل کی۔ اسی دوران آپ نے حضرت مولانا مدنی قدس سرہ سے شرف بیعت بھی حاصل کیا اور حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے چار سال اپنی مسجد میں آپ کو امامت کا اعزاز بھی بخشا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت تعلیم کے بعد آپ اپنے وطن تشریف لائے اور اپنے والد مکرم خواجہ نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ مدرسہ جو بستی شاہ جمال میں واقع تھا اسے سنبھالا اور باقاعدہ تدریس کا آغاز فرمایا اور سینکڑوں طالبان علم کو اپنے فیض علمی سے سیراب کیا۔ بعد ازاں آپ نے جامعہ عطاء العلوم شاہ جمال کے نام سے اڈا نوتک جام پور روڈ پر ایک دینی درسگاہ کی بنیاد ڈالی جو آج

الحمدللہ ایک عظیم دینی درسگاہ ہے جسے آپ کے صاحبزادگان نے ترقی کی طرف گامزن کیا۔

الحمد للہ آپ کے صاحبزادگان سب کے سب عالم وفاضل ہیں ،آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا رشید احمد شاہ جمالی مدظلہ فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان نے والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد مدرسہ عطاء العلوم کو چار چاند لگائے اور شب و روز محنت کر کے مدرسہ کو ایک جامعہ کی شکل میں تبدیل کر دیا ،اور آپ نے بحیثیت مہتمم جامعہ عطا ءالعلوم کی بڑی خدمت انجام دی۔

بعد ازاں مولانا رشید احمد صاحب مدظلہ نے مدرسہ عطاء العلوم کو اپنے بھائی مولانا بشیر احمد شاہ جمالی کے سپرد کر کے ڈیرہ غازیخان شہر میں مدرسۃ البنات جامعہ فاطمۃ الزہراء کی بنیاد رکھی جس میں سینکڑوں طالبات دورہ حدیث تک تعلیم حاصل کر کے عالمہ وفاضلہ بن چکی ہیں ۔جامعہ صدیق اکبر کے نام سے مولانا رشید احمد شاہ جمالی نے ایک دوسرا مدرسہ نیو ماڈل ٹاؤن ڈیرہ غازیخان میں قائم فرمایا اور ساتھ ہی ایک خانقاہ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی۔

مولانا رشید احمد صاحب ماشاء اللہ عالم باعمل اور شیخ طریقت ہیں ،حضرت مولانا علی المرتضیٰ ڈیروی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مجاز بیعت وخلیفہ ہیں،ڈیرہ غازیخان شہر میں آپ دو جامعات کے مہتمم ہیں یعنی جامعہ صدیق اکبراور جامعہ فاطمۃ الزہراء،الحمد للہ یہ دونوں مدرسے ترقی کی طرف گامزن ہیں اور دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں ۔

جامعہ عطاء العلوم شاہ جمال نوتک اڈا کو ماشاء اللہ مولانا بشیر احمد شاہ جمالی مدظلہ بحسن وخوبی چلا رہے ہیں اور آپ کے اہتمام میں مدرسہ خوب ترقی کر رہا ہے ۔مولانا بشیر احمد شاہ جمالی بھی جامعہ خیر المدارس ملتان کے فاضل ہیں ،حضرت مولانا غلام حبیب نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ مجاز ہیں اور خانقاہ حبیبیہ کے ذریعے عوام وخواص کی اصلاح میں مصروف ہیں ۔جامعہ عطاء العلوم میں سالانہ روحانی اجتماعات ہوتے ہیں جہاں اکابر علماء وصلحا تشریف لاتے ہیں اور اس طرح حضرت مولانا عطا محمد شاہ جمالی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیض علمی وروحانی جاری وساری ہے ۔

حضرت مولانا عطا محمد صاحب شاہ جمالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوری زندگی دینی علوم کی خدمت، درس وتدریس اور تبلیغ واصلاح میں گزری تھی اور الحمدللہ آج ان کی اولاد صالحہ کے ذریعے علم دین کی خدمت جاری ہے اور دینی وعلمی وروحانی چشمے ہزاروں طالبان علم وعمل کو سیراب وشاداب کر رہے ہیں ۔

حضرت مولانا عطاء محمد شاہ جمالی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک جید عالم دین، فقیہ اور درویش صفت انسان تھے، اخلاق و عادات میں سلف صالحین کا نمونہ تھے، سادگی و تواضع کا پیکر اور زہد و تقویٰ میں اعلیٰ مقام حاصل تھا، رسومات و بدعات کے رد میں وعظ و نصیحت فرماتے رہتے تھے اور صحیح معنی میں توحید و رسالت کا پیغام دیتے رہے۔

نوتک اڈا کے نزدیک بستی سندیلہ میں رہائش پذیر رہے اور ساری عمر دین کی خدمت میں گزار کر ۱۳۸۰ھ، ۱۹۶۰ء میں وفات پائی اناللہ وانا الیہ راجعون۔ سندیلہ بستی ہی میں تدفین ہوئی۔

جامعہ عطاء العلوم اور اولاد صالحہ آپ کے صدقات جاریہ ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ درجات عالیہ نصیب فرمائے، آمین۔

دعائے مغفرت کی درخواست

۷؍جمادی الاولیٰ کو درجہ تخصص سال دوم کے طالب علم مولوی محمد سجاد کے برادر مکرم مختصر علالت کے بعد راہی دار بقا ہوئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

۲۱ جمادی الاولیٰ کو مولانا قاری محمد اشرف صاحب رحمہ اللہ امام مسجد بلاک نمبر ۱۳ سرگودھا انتقال فرماگئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

۲۶؍جمادی الاولیٰ کو جامعہ کے درجہ حفظ کے استاذ قاری عبدالرحمٰن صاحب کا بھانجا انتقال کرگیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

۲۷؍جمادی الاولیٰ کو جامعہ کے استاذ مولانا امام الدین صاحب زیدمجدہم کے والد گرامی اور مفتی محمد اعظم ہاشمی (فیصل آباد) کے دادا کے بھائی انتقال فرماگئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

۶؍جمادی الثانیہ کو مولانا عبدالمجید انور رحمہ اللہ تعالیٰ اس دار فانی کو چھوڑ گئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

۹؍جمادی الثانیہ کو قاری عبدالرحمٰن صاحب مدرس درجہ حفظ جامعہ ہٰذا کی خالہ انتقال کرگئیں، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین الحقانیہ سے مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

محمد ابوذر متعلم دارالعلوم سرگودھا

موت کے بعد رسول اللہ ﷺ سے ملاقات

اگر کوئی شخص اپنے شہر سے دور رہو اور اس کے قبیلہ کا یا کوئی رشتہ دار، ہمسایہ یا دوست اس کو ملے اور وہ اس سے کہے کہ میں عنقریب اپنے شہر واپس جانے والا ہوں اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ میں شہر لوٹنے سے پہلے تجھے نہ مل سکوں لہٰذا ایسا کرو کہ اگر کوئی پیغام یا خط اپنے گھر والوں کو دینا ہو تو مجھے پیغام دے دو میں جا کر آپ کے گھر والوں کو بتلا دوں گا اور اپنی زندگی کے حالات، رہائش اور صحت کے متعلق بھی مجھے بتاؤ کہ کیسی گزر رہی ہے تا کہ اگر آپ کے گھر والے مجھ سے پوچھیں تو میں شرح وبسط سے بیان کرسکوں، اول اول تو اس کے ساتھ ملنے ہی کی بہت خوشی ہوگی اور اس کے بعد وہ اپنا پیغام یا خط اور اپنے غم یا خوشی کے حالات اسے سنائے گا تا کہ وہ من وعن ان حالات کو بتائے، الغرض یہ کہ وہ کوئی پیغام بھی نہ دے، خط بھی نہ لکھے، حالات نہ بھی سنائے لیکن سلام تو ضرور بھیجے گا۔ جب اس نے اپنے حالات بیان کئے، ملاقات مکمل ہوئی، وہ اس سے جدا ہوا تو جب تک اس کو یہ خبر نہ مل جائے کہ وہ اپنے شہر میں پہنچ چکا ہے یہ شک وشبہ اس کے دل میں کھٹکے گا کہ شاید وہ پہنچا بھی ہے یا نہیں۔

اسی طرح ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس یرموک کے دن ایک شخص آیا، اس وقت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین تھے، اس نے کہا کہ اے امیر المومنین! میں نے خود کو شہادت کیلئے تیار کرلیا ہے اور مجھے قوی امید ہے کہ میں شہید ہو جاؤں گا اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے بھی ملوں گا، اور یہ ملنا اور ملنے کی امید ہونا بنا بر اعمال حسنہ ہے اور ملاقات کا شک بنا بر اعمال سیئہ ہے، ان کے اعمال چونکہ نیک تھے اس لئے ان کو آپ سے ملنے کی قوی امید تھی، تو اس شخص کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دو پیغام بھیجے جو رسول اللہ ﷺ کو دینے تھے۔ ایک تو یہ فرمایا "میرا سلام رسول اللہ کو عرض کرنا"۔ دوسرا یہ فرمایا کہ "یا رسول اللہ ﷺ! بیشک جو اللہ نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچا پایا"۔

یہ اشارہ ہے رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کی طرف، وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "تم قیصر وکسریٰ کے محلات فتح کرو گے" تو یہ یرموک کا دن اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا وقت تھا۔

(تاریخ ابن کثیر ج ۷ ص ۳۱)

امداد السائل فی الاحکام والمسائل فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

الاستفتاء

تبلیغی اور دیگر دینی کاموں کی حیثیت

سوال یہ تھا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کی خدمات ان کی وفات کے بعد بھی تبلیغی جماعت کی شکل میں جاری وساری ہیں، لیکن دوسرے اکابرین دیوبند کی خدمات ان کی زندگی تک محدود تھیں، کیا ان لوگوں کی سوچ صحیح ہے، اور اس طرح اکابرین دیوبند کی خدمات میں مقابلہ کرنا درست ہے؟

اس کے جواب میں حضرت نے درج ذیل تحریر مرتب فرمائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ (بانیِ تبلیغی جماعت) کی دینی تعلیم اور تربیتِ اخلاق کی ابتداء قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے دربار گوہر بار سے ہوئی، پہلی بیعت کا شرف بھی حضرت گنگوہی سے ہی حاصل ہوا۔ حضرت گنگوہی کے فیض صحبت اور پھر بعد میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کی تعلیم وتربیت نے مولانا محمد الیاس صاحب کو شریعت وطریقت کا جامع اور ظاہر وباطن کا مصلح اور مربی بنادیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان دونوں شیوخ اور مربیوں کے فیوضات کو مولانا مرحوم کے ذریعہ عالم اسلام کے بڑے حصہ میں پہنچادیا تبلیغی جماعت کی کاوشیں اور کوششیں بارآور مثمر ہوئیں اور لاکھوں مسلمانوں کو اس جماعت کے ذریعہ اپنی اصلاح کے مواقع میسر ہوئے، یہ تمام تر ان کے شیوخ اور مربیوں کا ہی فیض ہے، حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوری نے تو خاص اس تبلیغ کے سلسلہ میں میوات کا دورہ فرمایا تھا اور ایک بہت بڑے جلسہ قصبہ نوح تحصیل ہول ضلع گڑگانوہ (انڈیا) میں بنفس نفیس شرکت فرمائی تھی، اور اس وقت اس جلسہ سے اس خاص طرز تبلیغ کی ابتدا ہوئی تھی اور اس کے بعد بھی تمام ہمعصر اکابر نے اس کے استحسان اور عمومی نفع کی تائید فرمائی، اس طرح یہ جماعت تمام اکابر دیوبند کی مشترکہ مساعی جمیلہ اور کوششوں کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اگر چہ بطور بانی اول ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی طرف اس کی نسبت بجا طور پر

ہورہی ہے،لیکن حقیقت میں ان کے تمام ہمعصر اکابر علماء اور مشائخ رحمہم اللہ کی توجہات عالیہ اور دعوات صالحہ اس کار تبلیغ میں شامل حال رہی ہیں،خاص کر محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور آں موصوف کے تعلیم یافتہ اور تربیت حاصل کرنے والے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے مدرسین اور منتظمین نے ہمیشہ اس جماعت کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ،اور اس کو اپنی جماعت اور اس کے کام کو اپنا کام سمجھا،حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی کتابوں اور تحریروں سے جس قدر اس تحریک تبلیغ کو تائید اور تقویت حاصل ہوئی وہ سب کو معلوم اور مشہور ہے،شیخ الحدیث کی تعلیم وتربیت بھی شیخ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے زیر سایہ ہی ہوئی،حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی وفات کے بعد اس جماعت کے سرپرست اور روح رواں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ہی تھے جن کی وجہ سے ان کے ہزاروں شاگردان کرام علما اور صلحا اس کام کو اپنا کام سمجھتے رہے اور سمجھتے ہیں اور اس کے لئے ہر طرح سے معاون ومددگار رہے ہیں۔بہر حال حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور ان کے ہمعصر علماوصلحاخصوصاً مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فضلاء اور نظماء کی مشترکہ مساعی اس جماعت کے فروغ اور اس کی ترقیات کے اسباب میں ان سب حضرات کی کوششوں اور اخلاص سے بحمد اللہ اس جماعت کے نفع کو قبولیت عامہ سے نوازا اور تمام عالم میں اس کو پھیلا دیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے پیش نظر علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت تھی،دارالعلوم (دیوبند) اور مظاہر العلوم (سہارنپور) وغیرہ مدارس قائم کئے جانے کا مقصد یہی تھا۔بحمد اللہ ان حضرات کے بعد بھی ان کی یہ تحریک جاری رہی اور ملک کے تمام گوشوں اور حصوں میں دینی مدارس کا قیام عمل میں آیا اور روز بروز اس تحریک میں ترقی ہورہی ہے۔حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے شعبہ تصوف اور رسوم مروجہ کی اصلاحات کی طرف خصوصی توجہ فرمائی ،اللہ کے فضل وکرم سے یہ تحریک بھی اپنے نقطۂ عروج پر پہنچی اور اس کے ثمرات وفوائد بھی ظاہر ہوئے ہزاروں بندگان خدا کی ظاہری اور باطنی اصلاح اس سے ہوئی اور ہوتی جارہی ہے اور اب تک حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا فیض جاری اور ساری ہے،لیکن چونکہ اس اصلاحی شعبہ کا تعلق زیادہ تر خواص بلکہ اخص الخواص کے ساتھ تھا اور خواص کے ذریعہ عوام تک اس کے اصلاحی فوائد پہنچتے تھے اور پہنچ رہے ہیں اس لئے سطحی نظر میں ان فوائد میں کمی محسوس ہوتی ہے،ورنہ درحقیقت یہ اصلاحی تحریک

دن بدن ترقی پذیر ہے بلکہ غور سے دیکھا جائے تو تبلیغی جماعت کی بدعت کے کاموں سے علیحدگی اور سنت کے کاموں کی طرف توجہ حضرت تھانوی کا ہی فیض ہے اور ان کی ہی اصلاحی تحریک ردِ بدعت کا مرہونِ منت ہے، اس طرح تبلیغی جماعت بھی گویا حضرت تھانوی وغیرہ حضرات اکابر کے مسلک اور ان کی علمی اور اصلاحی تحریکات کی انجام دہی میں مصروف اور ان حضرات کے مقاصد دینیہ کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے اور اس جماعت کے ذریعہ ان سب اکابر کی تحریکیں قائم اور ان کے فیوضات و برکات خاص اور عام تک پہنچ رہے ہیں مگر چونکہ اس جماعت کا فیضان عمومی اور عوامی ہے اس لئے اس کا پھیلاؤ سب کو نظر آجاتا ہے اور دوسرے شعبوں کی خدمات خصوصی اور باطنی ہیں ان کا شیوع سب کے سامنے نہیں آتا، الحمدللہ اکابر علماء دیوبند کی ہر ہر شعبہ میں خدمات باقی روز افزوں ترقی قابل قدر اور غنیمت کبریٰ ہیں اللہ تعالیٰ قبول و منظور فرماویں۔

والسلام

احقر سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

۷؍شوال المکرم ۱۴۰۶ھ

ارشاد حضرت مدنی قدس سرہ

نزول قرآن پاک کے بارے میں تین کلمے قرآن حکیم میں وارد ہوئے ہیں فی لیلۃ مبارکۃ، شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن، انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ لیلۃ القدر اس سال شہر رمضان میں ہوئی اس لئے ان دونوں میں اختلاف نہیں ہے، لیلۃ مبارکۃ سے مراد لیلۃ البراءت ہے۔ نزول قرآن کے بھی تین دفعات ہیں دفعہ اول وہ ہے کہ امر الٰہی ملائک کو ہوا کہ ام الکتاب اور لوح محفوظ سے اتنا حصہ اخذ کریں، دفعہ ثانیہ ملائک نے بیت العزت میں اس کلام کو ودیعت کیا اور دفعہ ثالثہ بیت العزت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہوا لیلۃ مبارکۃ یعنی لیلۃ البراءت یعنی جس میں ملائک عالم اسفل کو خدمات سپرد ہوتی ہیں فیھا یفرق کل امر حکیم پس فی لیلۃ مبارکۃ میں نزول اول مراد ہے کہ ملائک کو ام الکتاب سے نقل کرنے کا حکم ہوا اور لیلۃ القدر میں نزول ثانی مراد ہے کہ بیت العزت کی جانب نزول ہوا۔

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: فقہ حنفی قرآن وسنت کی روشنی میں ترجمہ،ترتیب،تحقیق:جناب مولانا خالد محمود صاحب، جناب مفتی عبدالعظیم ترمذی صاحب، جناب مولانا محمد انس صاحب۔

ناشر: ادارہ اسلامیات لاہور مجلدات:۳ صفحات: ۱۱۹۰ قیمت:درج نہیں ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وعلی الہ وصحبہ اجمعین وعلی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین ،امابعد:

یہ ایک واضح حقیقت اورروشن صداقت ہے کہ دین اسلام حق تعالیٰ کاپسندیدہ اورآخری دین ہےاوراس کی تعلیمات زندگی کے تمام شعبوں پرمحیط ہیں، دین اسلام کی بنیادبلاشبہ حق تعالیٰ کےفرمان اورحضوراکرم ﷺ کےارشاداورآپ کی تعلیمات پرہے،قرآن کریم جوکتاب ہدایت اورحق تعالیٰ کے مقدس ارشادات پرمشتمل نورمبین اورنسخۂ شفاء ہےاس کی توضیح وتشریح اورتفسیر کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اورپیغمبرحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کومبعوث فرمایا،آپ نے اس فریضہ کوباحسن وجوہ سرانجام دیااورکتاب اللہ کی تلاوت کےساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم بھی امت کوعطافرمائی۔

اس طرح دین اسلام کابنیادی ماخذقرآن وسنت قرارپائے ،لیکن بہت سے مسائل ایسے تھےجن کاواضح حکم قرآن وسنت میں موجودنہ تھاامت مسلمہ کی رہنمائی کیلئےان مسائل کاشرعی حل اجتہاد کےذریعے پیش کیاگیا،جبکہ بعض احکام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اورامت کےاتفاق واجماع سے طےہوئےلیکن یادرہے کہ اجماع امت اورقیاس کاماخذبھی قرآن کریم اورسنت ہی ہے، کوئی ایساقیاس یااجماع جوقرآن کریم اورسنت سےمتصادم ہواس کاہرگزاعتبارنہیں ہے۔

قرآن وسنت کےساتھ اجماع اورقیاس بھی شریعت کےاصول قرارپانے کی وجہ سےشریعت کےماخذچارقرارپائے،قرآن،سنت،اجماع،قیاس۔

قرآن وسنت سےاحکام کےاستنباط کیلئےچونکہ بہت سےقواعداورشرائط ہیں اس لئےاجتہاد کاحق بھی صرف انہی حضرات کودیاگیاجوپورےطورپراس کےاہل تھے،ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم

ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کو حق تعالیٰ نے ایسا عظیم و بلند مقام عطا فرمایا کہ یہ سب حضرات مجتہد مطلق کہلائے اور قرآن کریم، سنت، اجماع اور قیاس کی روشنی میں قرآن وسنت سے انہوں نے جو احکام مستنبط فرمائے وہ فقہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کے عنوان سے امت کی رہنمائی کر رہے ہیں اور قیامت تک ان حضرات کی کاوشوں سے امت مستفید ہو کر قرآن وسنت پر عمل پیرا ہوتی رہے گی۔ ائمہ اربعہ میں حضرت سراج الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ عظیم شرف عطا ہوا کہ فقہ حنفی کو اپنی وسعت اور گہرائی کی بنیاد پر بنسبت دیگر مسالک کے زیادہ قبولیت عامہ حاصل ہوئی اور اس وقت ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے والوں میں سب سے زیادہ تعداد حضرت امام اعظم کے مقلدین کی ہے۔

فقہ حنفی بھی فقہ مالکی وشافعی وغیرہ کی طرح قرآن وسنت، اجماع وقیاس دلائل شرع سے ماخوذ ومستنبط ہونے کی وجہ سے یقیناً حق اور لائق اتباع واقتداء ہے اور اس وقت لاکھوں مسلمان اس کے ماننے والے ہیں، لیکن افسوس کہ بڑھتی ہوئی مقبولیت اور پذیرائی کو دیکھ کر مخالفین نے بربنا حسد ہمیشہ یہ پروپیگنڈا کیا کہ فقہ حنفی قرآن وسنت کے مطابق نہیں، یا یہ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے بیان کردہ مسائل قرآن اور حدیث کے خلاف ہیں، اناللہ۔ اہل حق وانصاف پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ یہ دروغ بے فروغ اور کذب صریح ہے، اس کو سنتے ہی زبان پر یہ جملہ جاری ہوجاتا ہے فواللّٰہ انہا الفریۃ بلامریۃ۔ ولقد صدق القائل ۔

کضرائر الحسناء قلن لوجہہا حسدا وبغضا انہا لدمیم

وکم من عائب قولا صحیحا وآفتہ من الفہم السقیم

اس دروغ بے فروغ کا ہر دور میں جواب دیا جاتا رہا، حضرات علماء کرام اور فقہاء عظام نے دلائل شرعیہ کی روشنی میں ثابت کیا کہ فقہ حنفی کے مسائل قرآن وسنت کے عین مطابق ہیں۔ ماضی قریب میں اس موضوع پر سب سے جامع کتاب حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی زیرنگرانی ''اعلاء السنن'' کے نام سے بیس جلدوں میں محدث جلیل، فقیہ خبیر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی نوراللہ مرقدہ نے تحریر فرمائی، جس میں کتاب الطہارۃ سے کتاب الفرائض تک تمام مسائل احناف کو حدیث سے ثابت فرما کر امت پر عظیم احسان فرمایا۔ حضرت علامہ نے چونکہ احادیث پر تفصیلی کلام فرمایا ہے اور فریق مخالف کے دلائل کا جواب شافی بھی تحریر فرمایا ہے اس لئے یہ کتاب ایک عظیم

وطویل شرح کا درجہ رکھتی ہے، اس کی بے نظیر افادیت کے باوجود دورِ حاضر کے تقاضا کے مطابق ضرورت تھی کہ فقہ حنفی اور اس کے ادلہ پر مختصر اور جامع انداز میں ایک کتاب تحریر کی جائے جس سے مختصر وقت میں استفادہ ممکن ہو، چنانچہ حال ہی میں علامہ ساغرجی حفظہ اللہ تعالیٰ نے تین جلدوں میں ''الفقہ الحنفی وادلتہ'' لکھ کر اس ضرورت کو باحسن وجوہ پورا کردیا ہے، جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

انتہائی ضرورت تھی کہ اس مبارک کتاب کا ترجمہ اردو میں کرکے عوام کو اس سے استفادہ کا موقع دیا جائے تاکہ ان کے ذہن میں یہ حقیقت قائم رہے کہ فقہ حنفی کے تمام مسائل پر شرعی دلائل موجود ہیں۔ حق تعالیٰ ادارہ اسلامیات لاہور کے ذمہ دار حضرات کو بہت بہت جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس ناگزیر ضرورت کا احساس کیا اور لجنۃ المصنفین کے اراکین کو یہ ذمہ داری سپرد فرمائی، خوشی کا مقام ہے کہ انہوں نے نہایت محنت سے اس کتاب کا سلیس اردو ترجمہ مکمل کرکے اس کو مفید عوام وخواص بنادیا ہے۔ برادرعزیز مولانا سید عبدالعظیم ترمذی سلمہ اللہ تعالیٰ جو باقاعدہ لجنۃ المصنفین کے سرگرم رکن، خاصے تجربہ کار اور کامیاب مترجم ہیں، ان سے معلوم ہوا کہ بنیادی طور پر اس کتاب کے ترجمہ کی خدمت مندرجہ ذیل حضرات نے سرانجام دی ہے:

مولانا محمد انس چترالی مدرس دارالعلوم الاسلامیہ لاہور، مولانا خالد محمود صاحب مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور اور عزیزم مولانا سید عبدالعظیم ترمذی دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور سلمہم اللہ تعالیٰ۔

برادرعزیز سلمہ کے ترجمہ کا کچھ حصہ احقر کے ملاحظہ سے بھی گزرا ہے جسے دیکھ کر معلوم ہوا کہ ترجمہ انتہائی سلیس بامحاورہ اور عام فہم ہے، امید ہے کہ سب حضرات نے اسی طرح محنت فرمائی ہوگی، حق تعالیٰ تمام حضرات کی کاوش اور جدوجہد کو قبول فرمائیں اور اصل کتاب کی طرح اس کے ترجمہ کو نافع ومفید بنائیں، تمام معاونین اور کارکنان ادارہ کو فلاح دارین اور جزائے خیر سے نوازیں، آمین۔

آخر میں قارئین وناظرین کتاب سے گزارش ہے کہ وہ اس ترجمہ سے استفادہ تو ضرور فرمائیں تاکہ انہیں کسی قدر اندازہ ہوسکے کہ فقہ حنفی کے مسائل اور ان کے دلائل کیا ہیں، لیکن کسی بھی مسئلہ پر عمل یا دوسروں کو بتانے سے قبل کسی معتمد ومستند عالم اور مفتی سے دریافت فرمالیں، کیونکہ جب تک ماہرین فقہ سے اس کتاب کے تمام مسائل کا مفتی بہ ہونا معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کے تمام مسائل پر بغیر تحقیق کے عمل کا مشورہ نہیں دیا جاسکتا، هذا ما عندی واللّٰه اعلم وعلمه اتم و احکم۔

(سید عبدالقدوس ترمذی)

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

اخبار الجامعہ

۲۳/ جمادی الاولی: صدر جامعہ نے بعد مغرب مسجد عثمانیہ محلہ سیٹلائٹ ٹاؤن جھنگ میں درس دیا۔بعد عشاء حرمت رسول ﷺ کے مقدس عنوان پر منعقدہ جلسہ سے ایک گھنٹہ بیان فرمایا۔

۲۵/ جمادی الاولی: سکندری تحصیل ساہیوال میں بعد ظہر پہلے صدر جامعہ کا پھر علامہ عبدالغفار تونسوی دامت برکاتہم کا خطاب ہوا۔

۲۶/ جمادی الاولی: صدر جامعہ نے اوکاڑہ میں مولانا غلام مصطفیٰ صاحب کے ہاں جلسہ ختم بخاری شریف سے خطاب فرمایا۔ جامعہ میں علامہ عبدالغفار تونسوی مدظلہم نے رد رافضیت کے موضوع پر سہ روزہ اسباق کا آغاز فرمایا۔

۲۷/ جمادی الاولی: جامعہ کے استاذ حضرت مولانا امام الدین صاحب مدظلہ کے والد محترم انتقال فرماگئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ،جامعہ کے اساتذہ وطلباء جنازہ میں شرکت کیلئے بستی چانڈیوالی تحصیل تونسہ کے قصبہ ہڑکانی پہنچے مولانا کے بڑے بھائی مولانا محمد صدیق صاحب نے جنازہ پڑھایا، تدفین میں شرکت کر کے کچھ دیر بعد یہ حضرات واپس ہوئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کاملہ فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

۲۹/ جمادی الاولی: صدر جامعہ نے مدرسہ امدادیہ فتحیہ سلانوالی میں ماہانہ اصلاحی درس دیا۔

۶/ جمادی الثانیہ: صدر جامعہ نے مدرسہ احیاء السنۃ للبنات فرو کہ تحصیل ساہیوال میں فہم دین کورس کا افتتاحی بیان فرمایا، پھر حضرت مولانا عبدالمجید صاحب انور رحمہ اللہ تعالیٰ کے جنازہ میں شرکت کیلئے ضلع ساہیوال تشریف لے گئے۔جامعہ حقانیہ للبنات میں فہم دین کورس کا افتتاحی بیان مفتی شمس الدین صاحب مدظلہ نے فرمایا۔

۷/ جمادی الثانیہ: صدر جامعہ نے تقریب حفظ قرآن کریم مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا سے خطاب فرمایا۔

۸/ جمادی الثانیہ: میانوالی سے حضرت مولانا مہر محمد صاحب جامعہ میں تشریف لائے اور صدر جامعہ سے

مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کیا۔

۹/ جمادی الثانیہ حضرت مولانا مہر محمد صاحب نے تخصص کے طلبہ سے خطاب فرمایا۔ جامعۃ الحسنین فیصل آباد کے استاذ حدیث شیخ رمزی مع مولانا ثناء اللہ ایوبی و مولانا مہر علی خوشابی جامعہ میں تشریف لائے اور عربی میں طلبہ سے وقیع خطاب فرمایا۔ عارف باللہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم نے عصر کے بعد ایمان افروز بیان فرمایا۔

۱۰/ جمادی الثانیہ صدر جامعہ تقریب ختم بخاری شریف میں شرکت کیلئے بھیرہ تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم نے ظہر سے پہلے طلبہ سے انتہائی علمی اور بعد عصر عمومی درس ارشاد فرمایا۔

محمد فہیم ترمذی

جناب رسالت مآب ﷺ میں

کیا حال دل سنائیں محمد کی جلوہ گاہ!
منزل کی کچھ خبر، کوئی رہبر نہ زادِ راہ

مسلم کا حال وہ ہے کہ اللہ کی پناہ!
کفر و نفاق دل میں، زباں پر ہے لا الٰہ

دست دعا دراز ہے ہر شام و ہر پگاہ
وہ نالہ ہائے دل نہ وہ سوزِ جگر نہ آہ

غیروں سے دوستی ہے محبت ہے پیار ہے
اپنوں سے ہے ملاپ نہ آپس میں ہے نباہ

فکرِ مآلِ زیست سے ہر اک ہے بے خبر
گر مطمعِ نظر ہے تو دنیا کی عز و جاہ

آباد کیسے ہیں، بیاباں ہیں مسجدیں

ویران مدرسے ہیں تو سنسان خانقاہ
بدخواہ سن تلاش کے ہر سُو ہے دستیاب
ڈھونڈیں، تو پھر بھی ملتا نہیں کوئی خیر خواہ
اس فوج کا خدا ہی نگہبان ہو تو ہو
دشمن سے جا ملا ہوا گر رہبرِ سپاہ
محشر میں نام لیوا ترے، نام کے فقط
کیا منہ دکھائیں گے تجھے، لے کر دلِ سیاہ
پُرسانِ حال اپنا سوا تیرے کون ہے
کس کو سنائیں جا کے یہ حالِ دلِ تباہ
تو فخرِ دو جہاں ہے تو محبوبِ لم یزل
تیرے قدم کی خاک ہے خورشید و نجم و ماہ
ہر اک سے تو بلند ہے ہر اک سے فوق ہے
پہنچا ترے مقام کو کوئی گدا نہ شاہ
یا آسرا تمہاری شفاعت سے ہے ہمیں
یا رحمتِ خدا ہو ہماری رفیقِ راہ
ہے آرزو فہیم کی اے خاتم الرسل!
اُمت کے غیر حال پر للہ اِک نگاہ
